طغیان

پیشکردہ

اُردو نشرگاہ دهلی

طغیان

قاضی نذرالاسلام

مترجم

محمد یونس احمر

حنا تون کتاب گھر
اُردو بازار ۔ دھلی

قیمت ڈھائی روپیہ

ترتیب

مانجھی ایسا گیت سنا گا ۷

رم جھم ۲۳

سایوں کے پیچھے ۴۳

آپ بیتیاں ۶۹

شعلے اور پھول ۹۵

حق ۱۲۷

مہرنگار ۱۴۰

خلا ۱۷۵

نذرالاسلام کے افسانے .. ۱۹۷

مانجھی ایسا گیت نہ گا!

ابتدائیہ

"تم میری شبنم فشاں آنکھوں سے دور تھیں یا راہِ حقیقت سے
جانِ آرزو! میری اس دوری کو اپنی شہ رگ سے بھی قریب کرلو!
ابھی تم رشتۂ نو میں منسلک ہوئی ہو،
تمہارا تبسم نیا ہے، آنسو نئے ہیں،
تکمیلِ آرزو نئی ہے، اور گیت کی لہروں کی طرح
یہ دعوتِ عیش مقدس ہے
مگر آہ! میرے راگ کے سُر نہ جانے کہاں کھو گئے!
میری رانی! میری تمناؤں کی ناکامیاں آج تمہارے خالق کا عطیہ ہیں،
آج میرے خیالات کی گہری آغوش میں تمہاری اساسِ قصر اٹھائی جائیگی!
صبح کی خاموشی میں میں نے سنی —
گانے کے گھنگرو کی دلفریب آواز،
افقِ بعید میں شکست کی صدائے بازگشت!
رانی! الوداع! اختتامِ وقت کے ساتھ ساتھ کھیل بھی ختم ہوگیا
ابھی تم نئی مخلوق ہو — وہ دیکھو تمہارا قصرِ عالیشان بھی نیا ہے!"

۹

مانجھی ایسا گیت نہ گا

شام کی بھیانک تاریکی میں مجھے چلتے چلتے احساس ہوا کہ جس بدنصیب انسان کی کٹیا میں چراغِ شب روشن کرنے کے لئے کوئی نوجوان دوشیزہ موجود نہ ہو ۔۔۔ اس کی طرح دُنیا میں اور کون بدبخت ہو سکتا ہے ۔۔۔

سینۂ آسمان میں ایک رخشندہ ستارے نے اشکبار نگاہوں سے مجھے اس بات کا احساس دلایا اور میدان کی خاموش ہوا سنسناتی ہوئی یہ بات کہہ گئی ۔۔۔

"شام کا یہی ایک تارہ تمہارا دُکھ سہتا ہے۔"

اور شام کی اس اُداسی میں گھر کر اگر کوئی مصیبت زدہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں رختِ سفر باندھے ۔۔۔ اور اسکی آنکھوں کے سامنے ستارۂ شام پارۂ جگر

کی مانند تڑپ اٹھے تو وہی جان سکتا ہے کہ اس عالمِ جانکنی میں اس کے ذہن و فکر کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔

میں نے ریگستان کی لامحدود وسعتوں میں اپنے سفر کا آغاز کیا ہے۔ خاموشی اور سکوت کا یہ عالم ہے کہ دل کی دھڑکنیں بہ آسانی سُنائی دے رہی ہیں۔ لیکن نہ جانے کس درخت کی شاخ میں طیور نغمہ سرا ہیں۔ اور اسی کا حسین راگ روئی کے گالے کی طرح اڑ کر میرے خاموش دل کو گدگداتا ہے۔ جوں جوں رات کی جوانیاں باندازِ مستانہ نمودار ہوتی ہیں، ستاروں کی نظر فریب لڑیاں قطار اندر قطار جوسما میں ملکوتی نغمے بلند کر رہی ہیں ــــ ٹھیک اسی طرح میرے ویران دل کے اندر بھی مٹے مٹے افسانے اور فراموش شدہ کہانیاں طلوع ہو رہی ہیں۔

میرا تمام نظامِ عصبی صرف ایک دُکھ سے مائل گریہ وزاری ہوتا ہے۔ اور وہ ہے دل کی دبی ہوئی خلش! ایسی خلش جس کا کوئی شمار نہیں۔ بتاؤ خدارا کوئی بتاؤ میں اپنے اس دُکھ کی تلخ اور شیریں کہانیوں کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ کالا ناگ جب ہیرا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے تو اس ہیرے کی چمک باہر نہیں جا سکتی۔ ٹھیک یہی حال میرا ہے۔ میں بھی اپنے دل کے ہیرے اور دُکھ کے ٹکڑے کو بھلا نہیں سکا۔

موت کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ بچپن سے! جب بھونرا اسے کلی سمجھ کر مستقبل کا منتظر تھا۔ جب دریائے شباب کی موجیں ہنوز ساکن تھیں۔ جب چاند کی ضیا پوش شعاعیں ہنوز سیاہ بادلوں کے لطیف ٹکڑوں میں جھلمل کر رہی تھیں۔ آہ! وہ

بھی کیا دن تھے!

اس کی کُٹیا میری کٹیا کے بالکل متصل تھی۔ ہم ایک دوسرے کو انوکھے طریقے سے پیار کرتے تھے۔ مجھے اسی وقت اس کی موجودگی کی ضرورت پڑتی جب میرے دونوں ہاتھ کسی کو زدوکوب کرنے کیلئے بیقرار رہتے۔ اور میری مار بھی بالکل نرالی تھی۔ بلاوجہ مارنے میں بہت لطف ملتا تھا۔ اور جب واقعی کوئی وجہ ہوتی تو نہ معلوم میرے ہاتھ کیوں رُک جاتے۔ اُسے بھی نہ معلوم کیوں میری حرکت سے بہت کچھ انسیت ہو چکی تھی۔ کیونکہ اگر وہ ایک دن میں بھول جاتا تو وہ آکر ہنستے ہنستے بولتی "کیوں روٹھ گئے تم۔ دو دن مار جو نہیں کھائی"

اور میں پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہتا "نہیں تو۔ اور اب مجھے مارتے ہوئے شرم سی آتی ہے" یہ کہہ کر میرے سامنے جو عمدہ چیز رکھی نظر آتی میں اُسے دیکر دل کی چنگاریاں سرد کر دیتا۔ تاکہ وہ میری لرزش کو فراموش کردے۔

کتابوں سے نئی نئی تصویریں کاٹ کر دینا میرا معمول بن چکا تھا۔ کیونکہ میری نگاہ میں یہی سب سے بہترین تحفہ تھا۔ اور مجھے اسکول میں کتابیں ردّی کرنے کی یہ سزا ملتی کہ میں گھنٹوں میز کے اوپر کھڑا رہتا۔

ایک دن میں نے از راہِ شرارت اس امید میں رونا شروع کیا کہ وہ میرے آنسو خشک کرنے ضرور آئیگی۔ لیکن جب دیکھا کہ اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ تو میں نے اس کے سارے جسم کو اپنی پوری قوت سے جھنجوڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ رونے

لگی اور میں قہقہہ لگانے لگا۔ جب اس کے آنسو تھمے تو مجھے خشم آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی "یہ توڑ ہی دوں گی تمہاری ساری انگلیاں چھی! شرم نہیں آتی تمھیں!"

اور میں نے اس کی پشت کو سہلاتے ہوئے کہا "پگلی! ذرا سی چوٹ پر بلبلا اٹھی!"

ایک دن کا اور ذکر ہے کہ میں نے اس کے بازیچہ خانہ کی سب چیزوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ اور اس نے واقعی میری انگلیوں کو چوبِ خشک سے مجروح کر دیا۔ اس کی اس حرکت سے غیر ارادی طور پر میرے ہونٹ مسکرانے لگے۔ میری اس مسکراہٹ کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ پھر میرے پاس آ کر بالوں سے کھیلتے ہوئے کہنے لگی "معاف کرنا مجھے سخت ندامت ہے۔ چوٹ تو نہیں آئی؟" پھر کچھ عرصے کے بعد میرے الجھے ہوئے بالوں کو سلجھاتے ہوئے بولی "تمہیں لڑکی بننے کا شوق چرّایا ہے شاید۔ ہائے اللہ! اتنے لمبے لمبے بال!"

اس سنسان راہ کو تھوڑا طے کرنے کے بعد میرا دل پوچھ اٹھتا "ہاں تو اس کے بعد کیا ہوا؟"

میرے دل کے قصّہ گو نے اس خاموش شام کی اُداسی میں اپنا افسانہ بھُلا دینا چاہا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں میری ساکت زبان کو جنبش ہوئی "یہ نہیں نہیں موتی میں نے تم سے اس دن جھوٹ کہا تھا۔ واقعی میں تمہیں چاہتا ہوں" اس کے

بعد بھیانک خاموشی میں موسیقی کا راگ جاگ اٹھا۔ اور اس کے سحر آلود سُر دامنِ مشرق سے ٹکرا ٹکرا کر ہنگامہ برپا کرنے لگے۔ اور میری دائمی تشنہ روح بھی اس نشاط انگیز راگ کے تھپیڑے میں مدغم ہو گئی۔

اسی طرح ہمارے دن اور رات گوناگوں عشرتوں میں گزرنے لگے۔ یہاں تک کہ موتی دیکھتے دیکھتے ایک دن عالمِ شباب کو پہونچ گئی۔ اب اس کی عمر چودہ سال کی ہو چکی تھی۔ اور نہ جانے کس طرح اسی الھڑ جوانی میں اسے ٹھیس لگی۔

ٹھیس کی اس شدید ضرب سے وہ تلملا اٹھی۔ اور میرے ہوش و حواس بھی کانپ اٹھے۔ اور فوراً نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوا۔ کہ اس کپکپی سے میری زندگی کا بہاؤ ساکن ہو جائیگا۔

جب دریا کی غضب ناک روانیاں اپنا ترنگ کھو دیتی ہیں۔ اس وقت اس کے کلیجہ میں چُبھن سی محسوس ہوتی ہے۔ اور جب آزادی کے کھلے ہوئے دور میں زبردستی اینٹھن آ جاتی ہے تو فوراً اس کے جوش کی مسرت انگیز رفتار سے کش مکش اور جنگ کی بانسری پھوٹ پڑتی ہے۔ بعینہ اسی طرح جب دوراہی کو باندھ دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو ہماری آزادیاں باغی بن کر تخریب کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں! بتاؤ وہ کون ہے جو دریا کے تھپیڑے کو روک دے۔ کون ہے جو دل کی جولانیاں سرد کر سکے؟

میں اسی پیچ در پیچ تخیل کی دُنیا میں سانس لے رہا تھا کہ یکایک ہوا کی تیز

روانی یہ بول کر بھاگ گئی ۔ "جس کو تو نے دل میں جگہ دی ہے اُسے بہرحال ڈھونڈنا ہی ہوگا۔"

اس باغیانہ اعلان سے فریب خوردہ حُسن کا ماتم ہونے لگا۔ اور ٹوٹی ہوئی تمنّا اس کی آغوش میں شعاع آزادی پھیلا کر چلی گئی ۔ اس کے بعد وہ اپنی جانِ تمنّا کو ڈھونڈنے نکلی اور دل ہی دل میں سوچنے لگی ۔ "شریکِ حیات کو نہ پاکر اپنی راہ بھول جاؤنگی۔" اس آزادی اور بندھن کے احساس نے اس کی چھاتی میں آتشیں لاوے کی دھاریں بہادیں لیکن سماج نے چیخ کر کہا "اپنی اس آزادی کو بالائے طاق رکھ دو ۔ دیکھو میں یہ دیوار حائل کر دیتا ہوں۔" ان میں سے بہت سی دیواروں کو تو گنگا کی بیتاب موجیں بہالے گئیں۔ مگر پتھر کی اس دیوار کو نہ بہا سکیں۔

سماج کی اس گندی حرکت سے میرے دل کا سکون درہم برہم ہوگیا۔ اور میں سوچنے لگا کیوں نہ اس کی محبت کی آگ پر شبنم کی بوندیں چھڑک دوں۔ کیوں نہ میں اس کی یاد کو دل سے فراموش کردوں لیکن آہ میں اسے جتنا بھول جانے کی کوشش کرتا ہوں اتنا ہی زیادہ وہ میرے بیکل اور مجروح دل کو اپنی آتشِ محبت سے بھڑکاتی رہتی ہے۔ آخر کیوں؟ کیا یہ میرے جذبات مضطرب کشتی کی مانند ہمیشہ لرزاں رہیں گے۔ کیا میں ان بلاخیز ہنگامہ آرائیوں میں گھر کر تا زیست آہ وفغاں کی دلدوز راگنیاں سُنتا رہوں گا!

سمندر کی موجیں دریا کی طرف بڑھیں ۔ اور دریا نے اسے چھونے کیلئے

بے پناہ مشتعل موجوں کے ساتھ بڑھنا چاہا۔ لیکن صد حیف! انجام دونوں کا ایک ہوا یعنی پریشان ہوکر دونوں نے اپنی اپنی موجیں سمیٹ لیں۔ کیسے معلوم ان دونوں میں کب اتصال ہوگا۔ کب ہم آغوشی ہوگی۔

اس کے بعد سے ہم دونوں کی ملاقات بند ہوگئی۔ اگر کبھی اتفاقاً گفتگو کا موقع ملتا بھی تو سماج کی سفّاک نگاہوں سے بچکر۔ یا نہیں تو دریچے سے جھانک کر لیکن آہ! اس مختصر سی گھڑی کی دید میرے خرمنِ دل کے خفتہ انگارے کو اور ہوا دے جاتی ہے۔

پانچ سال بعد ــــــ!

ایک دن میں نے سُنا کہ اس کی شادی گاؤں کے بڑے زمیندار کے بی۔اے پاس لڑکے کے ساتھ رچنے والی ہے۔ اور شادی کے ساتھ ہی مجھ مسافر کی محبّت بھی ختم ہو جائیگی۔ اس احساس سے میرے کلیجہ میں ایک داغ سا پڑ گیا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ شیشۂ دل کو کوئی پاش پاش کر رہا ہے۔ لیکن جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ اسکی تاریک زندگی سونے اور چاندی کی حسین آغوش میں کٹےگی۔ تو میں نے اپنی تمامتر خلش کو دھو ڈالنا چاہا۔ لیکن پھر یہ دکھ کس لئے۔ آہ! وہ عیش وعشرت کی شاندار عمارت میں دُلہن بن کر جائیگی۔ اس کی ساری خواہشیں بات کی بات میں پوری ہونگی۔ سب کچھ ہوگا لیکن میرا یہ بیکل دل مانتا کیوں نہیں۔ آہ میری قسمت!

ان باتوں کو سوچ کر میری چھاتی درد انگیز راگنی میں حلول ہو جاتی ہے
میرے ظاہری و باطنی آلام و مصائب کے نقوش ہویدا ہو جاتے ہیں۔ میں نے
فطرت سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے ـــــ

"اپنی خوشی تقسیم کر کے دوسروں سے انتقام لوں گا ـــ اور غرور و نخوت
میرے سر کو اور بلند کر دیں گے۔"

"میری رانی سکھی ہوگی۔" یہی خیال میرے دل میں بار بار مونگ دلتا رہتا
ہے۔ ایک دن یکایک میری چھاتی کے تمام درد و دکھ خلش اور ٹیس سکون و اطمینان
سے بدل گئی۔ اور جیسے میری ویران خزاں رسیدہ دنیا میں شانتی کی راگنیاں جھنکار
پیدا کرنے لگیں، دیکھو تو ذرا آج مجھے اشک ریزی کرنے کے بعد ایک دنیا ملی ہے۔
جہاں گردشِ آفاق کے تھپیڑے اور آلام و مصائب کی بے پناہ چیرہ دستیاں معدوم
ہیں۔

یہ کسی آرٹسٹ کی بانسری کا سحر انگیز راگ ہے جس نے میرے ازلی بیدرد دل
کو تھپک کر سُلا دیا ہے۔ ہائے اتنے دنوں تک بانسری کی یہ مدھر تان کہاں روپوش
تھی!

اس دنیا میں نصف شب کے عمیق سناٹے میں اس کی یاد سے مجبور ہو کر یہ راگ
چھیڑ رہا تھا۔ ـــ

تمنا کی دنیا میں چھیڑا تھا راگ ـــ بڑی کوششوں سے محبت کو جیتا

دوران نغمہ میں میں نے دیکھا کہ طویل و عریض میدان میں شام کی پرچھائیاں ایک دوسرے میں سما جانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اور دور حدِ نظر سے دور مٹی کے مکانوں میں چراغ کے دھوئیں کے نشانات ہوا میں تیر رہے ہیں۔ انھیں دیکھ کر میرا شکستہ دل بارِ غم سے پژمردہ ہو گیا۔ کاش میری کٹیا میں بھی کوئی چراغ روشن کرنے والا ہاتھ ہوتا۔ کیا مجھ بدبخت کی اندھیری کُٹیا اسی طرح تاریکی میں سر پیٹتی رہے گی۔ پھر مجھے یہ احساس ہوا کہ چراغ کے سامنے جو گھونگھٹ تلے بیٹھی ہے کاش وہ اپنی دو اشک آلود بیکل آنکھوں کو لیکر میرے قریب آجائے ۔۔۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ یکایک جنوبی ہوا سے درخت کا پتہ کھڑکا اور ایک سُریلی آواز کانوں کو چیر کر چلی گئی۔

"راہی! گھبرامت ۔ اب انتظار کا پھل ملنے والا ہے"

اور میرے دل کی تاریں ایک ساتھ جھنکار کر بول اٹھیں "ان باتوں کو پیچھے سوچ لینا۔ بتاؤ پھر کیا ہوا ؟"

اس وقت میدان کے چاروں طرف قبرستان کی سی اداسی اور خاموشی پھیل چکی تھی۔ آلام و مصائب کے ساتھ مقدس محبت مدغم ہو کر میری آنکھوں کی خفتہ پلکوں کو جھنجھوڑ کر چلی گئی۔

اشکبار آنکھوں کے پردے میں باقی ماندہ تصویر کے نقوش پھر ابھرنا شروع ہوئے۔

موتی کی شادی کے دن سے کچھ قبل اس کے ساتھ میری پہلی اور آخری ملاقات

ہوئی تھی ۔ اور اس نے کہا تھا "میری شادی کی خبر تو تم نے سن ہوگی ۔ اب کیا ہوگا بولو ؟"

میں نے کہا ۔ "تم سکھی ہو گی "

یہ سن کر جیسے اس کی چھاتی تڑپ اٹھی ، دل میں ارتعاش پیدا ہوگیا ۔ اور صفحۂ آسمان میں تاروں کی جھلملاتی لڑیاں ایک ساتھ مسکرا اٹھیں ۔ پھر وہ بولی ۔ "یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے بالم! پھر باتیں کیسے ہونگی ؟" اتنے دن کے بعد میں نے اس کی شیریں آواز کی میٹھی بانسری سنی ۔ اس کی ڈبڈبائی ہوئی پتلیاں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ ماتم کناں ہے ۔

میں نے کہا "موتی میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں ۔ لیکن باور کرو جس کے ساتھ تمہارا ازدواجی رشتہ قائم ہونے والا ہے ۔ وہ مجھ سے زیادہ تمہاری عزت کریگا ۔ تمھیں سکھی رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھے گا ۔ وہاں جاکر میری تمام باتیں بھول جاؤ گی "

کہنے کو تو یہ کہہ گیا لیکن پھر سوچنے لگا ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ اہلِ ثروت ہے ، خوبصورت ہے ، تعلیم یافتہ ہے ۔ لیکن اس کی محبت مجھ سے فوقیت لے جائیگی ، یہ غیر ممکن ہے ۔ ان باتوں کو سوچ سوچ کر میرے دل کے شعلے یکجا ہو کر آتش فشاں بن گئے ۔ اور میں جیسے اس میں جھلس گیا ۔ مدہوش شرابی کی طرح اس نے میری انگلیوں کو اپنی مخروطی انگلیوں سے دباتے ہوئے کہا ۔ نہیں ، نہیں ۔ کبھی ،

نہیں!"

اور میں نے بیتاب ہوکر کہا "موتی! ایسا ہوکر رہے گا۔ مجھ سے جدائی اختیار کرنا ہی پڑے گی۔"

اس وقت میرا دل غرور و نخوت سے کانپ اٹھا اور وہ پھر گویا ہوئی "ظالم! بھول گئے وہ دن جب تمہارا ظالم ہاتھ میری پشت پر ہوا کرتا تھا۔ آج بھی مارو اسی طرح۔"

کتنے دنوں کی کتنی گذشتہ باتیں میرے صفحۂ دل میں نمایاں ہوگئیں۔ اور اسی وقت فخر و غرور کا دستِ چالاک خودی کو ابھارنے لگا۔ "فارغ ہونا ہی ہوگا۔"

میں نے ہنستے ہوئے موتی سے کہا "موتی! اگر تمہیں یاد نہیں تو آج حقیقت کھول دیتا ہوں۔ مجھے تم سے محبت نہیں۔"

اس بات کی خلش میرے دل کو روند گئی۔ اور وہ ہرنی کی طرح چونک کر بولی "کیا کہا؟"

میں نے کہا "ہاں موتی اتنے دنوں تک تمہیں فریب میں رکھا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک دن بھی تمہارے ساتھ محبت نہیں کی۔"

یہ سن کر وہ گرجتے ہوئے بولی "جاؤ دور ہو جاؤ۔ مجھے بھی محبت ختم نہیں۔ تم جلاد ہو، قاتل ہو، بیدل ہو، جاؤ ہٹ جاؤ میری نظروں سے۔ تمہاری شکل سے اب دلی نفرت ہوگئی ہے۔ بہت توہین کی تم نے میری محبت کی! اب میں برداشت

نہیں کرسکتی !"

یہ کہہ کر وہ فوراً میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی ۔ اور میں نے سُنا کوئی چکرا کر آنگن میں دھڑام سے گر گیا ۔ اور اس کے حلق سے یہ آواز نکلی "ماں !"

دریا کے اس پار ایک مانجھی دردانگیز گیت گا رہا تھا ۔ میں نے بھی اس کے سُر میں سُر ملا کر گانا شروع کیا ۔۔۔"

" مانجھی ! ایسا گیت نہ گا ۔۔۔ دل ہے شیشہ چُور نہ کر !"

میری اس فرسودہ اور غمگسار زندگی کو جس میں اضمحلال اور افسردگی کی برف جم گئی ہے یا تو ساحل میں لا کر ٹکرا کر، نہیں تو اپنی تیز رفتار موجوں میں بہا لیجا !

دل کے اندر مُرجھائے ہوئے پھول کی جو غمناکی حلول کر گئی ہے کیا موتی نے اُسے سمجھا ہے یا نہیں ۔

جس کو میں نے اپنے تخیل سے اچھوتا خیال کیا ، اپنی خودی سے زیادہ محبت کی ۔۔۔ اس کو تحفۂ درد دینے کے لئے جب میں نے اپنی چھاتی کا کانٹا پیش کیا اس وقت نہ جانے کیوں میرے دل و جگر کے اندر کھٹک اور چُبھن سما گئی تھی ۔

لیکن آہ ! وہ نہ سمجھ سکی ۔ میرا دل جس لالہ رُخ کے حُسنِ جہانتاب پر قربان ہوتا ہے اگر وہ "پھول" کو اپنا انیس بنالے تو بتاؤ میں کس طرح اس جبروت سے بچ سکوں گا ۔ میری وہ زندگی جو خون ، آنسو اور آگ کے چشموں میں غوطہ زن ہے ۔۔۔ اس کی کامیابی کدھر روپوش ہے ۔ صد حیف اس سے بڑھکر شوریدہ سری میرے لئے

اور کیا ہو سکتی ہے۔

موتی کی شادی ہو گئی۔ وہ دیکھو، اس کا مرمریں محل جس کے اندر لاتعداد شمعیں ضوفگن ہیں۔ اور ایک میری کٹیا ہے جو تاریکی کے اندھیرے دامن میں لپٹی ہوئی ہے!

یکے بعد دیگرے گھر کے تمام چراغ شام ہوتے ہوتے روشن ہو جائیں گے۔ لیکن صرف میری کٹیا چراغ کی روشنی سے محروم رہے گی۔

رجم!

ابتدائیہ

"یہ کون ہے، کون پری ہے جو سسکیاں بھرتے بھرتے پرستان کی جانب بڑھ رہی ہے۔

آہ! اس کی النا کیاں چور چور ہوکر ہواؤں میں بہی جارہی ہیں!
شباب پرور مینا بدوش آنکھوں میں دُکھ کی چنگاریاں برس رہی ہیں!
اور دل کے نازک ترین تاروں میں صرف مٹی ہوئی کہانیاں چیخ رہی ہیں
دکھ کے شعلے چھاتی میں مدفون ہیں۔ اور چہرے سے پریشانیاں نمایاں ہیں۔"

"جھم جھم، رم جھم، ریمی ریمی رم جھم
پازیب کی جھنکاریں بج رہی ہیں۔
اور جب میرے پاؤں کی قوتِ رفتار سلب ہو جاتی ہے تو وہ باجا بھی میری چھاتی میں بجنے لگتا ہے۔
جھیلر جھانی جھیسنی جھیسنی
آنسوؤں کا ہجوم مجھے گھیر لیتا ہے اور میں اُداس ہوکر اسے سُنتا ہوں
میں طوفان ہوں، طوفان ہوں میں! نہیں نہیں میں تو بادل کا بہاؤ ہوں، ہم طوفان نہیں!"

رم جھم

بارش کی متواتر رم جھم کی آواز سن کر یکایک مجھے احساس ہوا ــ "میرا دُکھ
اسی بارش کے سروں میں وابستہ ہے۔"
سامنے گھنا جنگل ہے۔ اور اسی جنگل میں طاؤس کے گوناگوں پروں کی قطار
نظر آرہی ہے۔ سر کے اوپر ہوا کے دوش میں سارسوں کا غول کا غول پرواز کرتا جا
رہا ہے۔ قدم کے پھول کانٹے میں الجھ کر تبسم کی نشانیاں پھیلا رہے ہیں۔ اور نہ
جانے کس کے گہرے متوالے گیت کا نشہ سارے جنگل کو مدہوش کر رہا ہے!
کیا یہ ساون کا مہینہ ہے۔ ہاں ہاں اسی لئے تو دکھ کی گھنگھور گھٹائیں میری

پلکوں میں سمائی جا رہی ہیں۔ اور عیش و عشرت کی نشاط انگیز رنگینیاں میرے ازلی ستم رسیدہ دل کو خار زارِ حیات کے دامن میں سمیٹ رہی ہیں۔

تین سال قبل کی بات ہے۔ میری بیکل زندگی آج بھی پدما کے جنگل کی طرح ادھر سے ادھر منتشر ہوتی جا رہی ہے۔ کبھی اس کی بھولی ہوئی باتیں صفحۂ دل میں منقوش ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی میری آغوش میں اس کے نازک جسم کے مس کا داغ جاگ اٹھتا ہے۔ میرے دماغ کے ریگستان میں جوہی کے پھول پھوٹنا نہیں چاہتے۔ نرگس کی کلیاں منزلِ شباب میں آنے سے قبل لقمۂ اجل ہو جاتی ہیں۔ ایک دن میں بھی شباب کے چوراہے پر جب نشاط انگیز رنگینیوں کے چشمے بہا رہا تھا۔ اس کی نسوانی شیریں آواز میرے دل میں پار اتر گئی۔ اور آنکھوں سے خود بخود پانی کے دو ایک قطرے ٹپک پڑے۔

وہ دن بھی آج کی طرح ساون کا جانفزا دن تھا۔ میں راہئ ازل گھومتے گھومتے بھٹک کر پگڈنڈی تک آ گیا تھا۔ میں نے دیکھا وہاں کجری کی محفل نشاط جمی ہوئی ہے۔ اور نغموں کی بارش کے چھینٹے فضا کو مست و بیخود بنا رہے ہیں۔ آسمان میں سیاہ بادلوں کا ایک ہلکا سا ٹکڑا مجھ بدبخت کی طرح اپنی منزل کھو کر ادھر اُدھر بھٹک رہا ہے۔ اور اسی سنہرے آسمان میں نیلے آسمان کا ایک آدھ نشان آنکھوں میں جیسے کاجل لگائے سو کر اٹھا ہے۔

اسی پگڈنڈی کے قریب مجھ مسافر سے اس کی ملاقات ہوئی۔ نہ جانے

اسے دیکھ کر کیوں مجھے احساس ہوا کہ یہ شکل جیسے جانی پہچانی ہے۔ کہاں دیکھا ہے؟ کب؟ حافظہ خیال سے یہ باتیں بالکل مفقود ہو چکی ہیں۔ کیا وہ بھی مجھے دیکھ کر اسی سنہرے تخیل میں گم ہو گئی؟ وہی جانتی ہے۔ چلتے چلتے ہاتھوں سے منہ چھپا کر بولی: "پردیسی رے تہار (تیرا) دیس کہاں؟"

اس آواز سے میرا ظاہر و باطن سب بیکل ہو گیا۔ چھاتی میں جیسے شمشیر چُبھ گئی۔ اور دماغ میں کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا۔

یہ کون ازلی جانی پہچانی آواز ہے؟ کیا یہ فریب ہے؟ بادِ مشرق قریب سے سسکی لیکر چلی گئی۔

"آہ! بدبخت، آہ! بھولا بھٹکا مسافر" بادل کے سیاہ لہراتے ہوئے ٹکڑے کی طرح ملہار کے سُر میں دوشیزائیں مل کر گجری گا رہی تھیں۔ اور فضا اس راگنی میں جھوم رہی تھی۔

"گھونگھٹ پٹ کھولو رے سانوریا"

مجھے اپنی طرف اس طرح کھڑا دیکھ کر ان کی آنکھوں کی پلکیں کھلی کی کھلی رہ گئیں پھر سیاہ لٹوں کو سنوارتے ہوئے بولیں "گجریا رے! کیا تیرا سانوریا آ گیا؟"
اور اس نے پرے ہٹ کر کانپتے ہوئے کہا "نہیں رے سجنیا نہیں، یہ پردیسی جوان . . ."

اس کی بات کاٹ کر دوسری بول اٹھی "کیا اس نے تیرا دل چھین لیا؟"

اب وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اور میری نظروں سے دور نہ جانے کہاں بھاگ گئی۔ اس راہ میں کھڑا ہو کر حدِ نظر سے پرے میں اس کا دھانی رنگ کا آنچل اور آسمانی رنگ کا دوپٹہ دوشِ فضا میں لہراتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی گوندھی ہوئی چوٹی کی بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ میری نگاہوں کے سامنے صرف کجریا کی سانولی شکل چمک چمک کر اٹھتی تھی۔ بجلی کی خیرہ کن روشنی کی طرح اس کا شباب چنگاریاں برسا رہا تھا۔

پگڈنڈی کے قریب تنہا میں یہ سوچنے لگا: "اس ایک پلک کی لطف محبت کو انسان کس طرح دائمی محبت سمجھ سکتا ہے!"

دوسرے دن اسی پگڈنڈی کے قریب کھڑا ہو کر یہ خیال کر رہا تھا: "اچھا، یہ جو میرے دل کی ملکہ ہے اس کو میں کب، کس دن مشرق کی تیز و تند ہوا کی موجوں میں بہا لے گیا تھا۔ میں نے اسے کب شکست دی تھی!" کتابِ زیست کا ایک ایک ورق دیکھ ڈالا مگر کہیں اس کی محبت کی کہانی نظر نہ آئی۔ یکایک نہ جانے کس طرح میرے دل کے اندر جو ایک "انسان" ہے وہ پہچان گیا۔ وہی میری آنکھوں کے ہونٹوں میں آ کر بول گیا: "یہی تو میرے ازلی دل کی ملکہ ہے۔ یہی تو میرے ازلی حسن کی دولت ہے۔ . . . ."

ایک دفعہ پھر میں اپنے خیالات میں غرق ہو گیا۔ اسی وقت درختوں کے سروں میں کجری کی سُریلی تان لہراتی ہوئی فضا کی آغوش میں تڑپنے لگی۔

"چڑھے گھٹا گھنگھور گرج رہا ہے بدروا رے گوری ۔
رم جھم رم جھم مینہا برسے ، جیا گھبرائے رہا
بہے نیناسے پرمیل ، بہے کجرا رے ہوری "

بارش کا بادل صاف ہوگیا ۔ اور میرا احساس بھی اسی کو گنگنانے لگا ۔
"میل بہے کجرارے ہوری ۔" اُف میرے جہانِ رنگ و بو میں یہ کون آفتابِ تخیل ہے جو نرالے انداز سے جاں سپار اور جاں گسل دل کی تاریکیوں کو منور کر جاتا ہے ۔ وہ کون ہے جو میرے آسمانِ دل میں لاتعداد کنول کھلا جاتا ہے اور میں گلہائے رنگا رنگ کے سمندر میں ڈوب جاتا ہوں ۔

ایک بار اور میں بحرِ تخیل میں غوطہ زن ہوا ۔ دیکھا وہ بادلوں کے جھرمٹ میں محوِ گل گشت ہے جنگل کی سوکھی زمین آسمان کا کلیجہ چیر کر طاؤس کی موسیقی کے ساتھ چلا اٹھی "پانی ، پانی !"

اُف رے ازلی پیاسی ! تیری یہ ختم نہ ہونے والی پیاس کیا تمام سمندروں کے پانی سے بھی نہیں بجھی ۔

یکایک میرا امٹا مٹا سا تخیل کان میں کہہ گیا " تم بھی ایک دن اسی طرح تشنہ لب تھے ۔ تمھاری پیاس بھی بجھنے والی نہیں ہے "

بھیگی مٹی اور حسن کی گہری خوشبو سے جیسے مُردہ جسم میں جان آگئی ۔ اس طرف نرگس کی آنکھیں سحر انگیز گیت کا چشمہ بہا رہی تھیں اور بیلے کی بھینی بھینی خوشبو

کبھی پدما اور گریسم کی پیاس بجھا آتی ۔ لیکن میرے دل کے اندر بارش کا دکھ ناکامیوں اور نا امیدیوں کی زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔

ہائے کیا کہوں ؟ کس کے ساتھ گفت گو کا سلسلہ شروع کیا جائے ؟ یہ پاگل من کچھ نہیں جانتا ہے ۔ آخر کہنا کیا چاہتا ہے ! کس لئے بیقرار رہتا ہے کس لئے تمناؤں اور حسرتوں کے بھنور میں اسیر رہتا ہے ۔

آج اور ایک بار احساس ہوا ۔ اس نے ایک دن وقت وداع مجھ سے کہا تھا ۔ ایک دن اور ملاقات ہوگی لیکن شاید تم پہچان نہ سکو گے ۔

آج دہی الوداعی بانسری کی غم آلود موسیقی جاگ اٹھی ۔ میری قربت سے جس دم کجریا اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی چلی گئی تھی ۔ میرے دل میں یہ بار بار تلاطم خیز موجوں کی طرح ٹکرانے لگی " شاید تم پہچان نہ سکو گے " اسی لئے میں نے کجریا کو پکار کر کہا " سنو سنو جان ! میں نے تمہارے ان دونوں نینوں کو پہچان لیا ہے" مگر آہ ! وہ آنکھوں میں لہراتے ہوئے سیاہ گیسو بکھرا کر چلی گئی ۔ اور اس کی اس نظر اندازی نے مجھ سے کہا " اس نے بھی مجھے پہچان لیا ہے "

یہ سوچ کر میں اس کی تلاش میں نکل گیا ۔ جھینگر کی چیخ جیسی ، نسوانی آواز ملہار کے سُروں میں ہواؤں کے ساتھ مل جل کر چلی آرہی تھی ۔

"چھائی بدریا چمکے بجری کہاں جاؤں رے گوری ! "

راہ میں ٹھہر کر میں نے دیکھا ۔ آسمان سے ہزاروں آبشار کے قطرے

ہنگامہ برپا کر رہے ہیں۔ چھم چھم چھم، ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آسمان کی گود میں ہزاروں کنواری لڑکیاں پازیب کی جھنکار کے ساتھ رقص کر رہی ہیں۔ پھر دوسری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہی عکسِ رخِ یار اپنی عشوہ گری میں مگن، درختوں میں جھولا ڈال رہا ہے۔ آج وہاں کوئی بندھن نہیں ہے۔ ہر ایک اپنا حجاب آنو و گھونگھٹ ہٹا کر لجاتی ہوئی چتونوں سے دعوت دید دے رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اُن تک جاؤں اور کہوں۔ دیوی، پھر وہی نغمۂ حیات سناؤ جسے سن کر میرے دل کی لرزش تیز تر ہو جاتی ہے۔ ساون کی لہلہاتی ہوئی فضائیں زندگی اور روح میں آگ لگا رہی ہیں۔ میرے شباب کے جوار میں موجیں تڑپنے لگیں۔ اور ان محجوب لیکن محبّت کی دیویوں سے مس ہو کر وہ ہوائیں میرے جسم سے ٹکرانے لگیں — آہ! پھر میری آنکھوں میں ان کے وجود کی نشانیاں کیوں نمایاں ہو گئیں۔ پھر جذباتِ خفتہ میں انگارے کیوں سلگنے لگے۔

شباب کی آغوش میں پلی ہوئی دوشیزائیں سیاہ بادل اور نیلے آسمان کا راگ الاپ رہی تھیں۔ پیپل کے درخت کی پتیاں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ان کے سُریلے راگ کے لئے سر ایجاد کر رہی تھیں۔ ان کے دلوں کے گوشہ میں بادلوں کی جذباتی رفتار سما گئی تھی۔ اور ان مناظر کو دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو کے قطرے اُمنڈ آئے۔ میں نے اسی سیاہ گجریا کو دیکھا۔ جھولے سے اتر کر وہ میرے قریب آ رہی تھی۔ بالآخر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول اٹھی:

"بجنیارے وہی سُندر پردیسی ۔ ۔ ۔ ۔" یہ سن کر اس کی سہیلی بادلوں کے جھرمٹ میں تبسم کی سرخیاں پھیلا کر بولی "ہاں ری کجریا ۔ تیرا سنوریا"
کجریا لجا کر موتیا کی لٹیں کھینچتے ہوئے درخت کی آڑ میں چھپ گئی ۔

میں سوچ رہا تھا "شاید انسان اور بادل کی باتیں اسی طرح ہوتی ہیں" میرا الم آلود دل اس سیاہ بادل کو ہمدم کہکر مخاطب کرنے لگا ۔ پھر چونک کر میں نے دیکھا وہ میرے بالکل قریب کھڑی تھی ۔ اس کے کنوارے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے اور آنکھیں تمناؤں کی دنیا میں جاگ رہی تھیں ۔ یکایک مجھے احساس ہوا ۔۔ اس اندھیرے اور تاریک بادلوں کی قطاروں میں صرف میں اور وہ موجود ہیں ۔ جنگل سنسان ہے ، خاموشی چاروں طرف مسلط ہے ۔ کہیں کوئی نظر نہیں آتا ۔ اوپر ، نیچے ، چاروں طرف صرف بادلوں کی سیاہ گہری نشانیاں کبھی کبھی ابرآلود فضا میں میرے کان میں کچھ کہہ جاتیں اور میں جذبات کی دُنیا میں مستغرق سُنی اَن سُنی ۔ شاید اسی جانی پہچانی جگہ میں ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی ۔ اور یہیں ہمارے احساسات کی دُنیا میں جنگ کی تباہ کاریاں ! ہم دونوں کے مابین گفت گو کا ایک رنگین سلسلہ شروع ہوا ۔

میں نے کہا "کجریا ، تمھیں بہت جستجو کے بعد پایا ہے" بادلوں کا سیاہ ٹکڑا جو میری باتیں سُن رہا تھا ۔ یکایک کانپ اٹھا ۔ زخم خوردہ ہرنی کی طرح روتے روتے کجریا میری نظروں سے بھاگ کھڑی ہوئی ۔ لیکن بھاگتے وقت اتنا کہتی گئی ۔

"نہیں رے سندر پردیسی میں کالی کجریا ہوں" اس کی زبان کچھ اور بولنے والی تھی۔ مگر اس کی قوت گویائی سلب ہوگئی۔ وہ کچھ اور نہ کہہ سکی۔ ایک طوفان تھا جو میری زندگی کے تمام سرمایہ کو خس وخاشاک کے ساتھ بہائے لئے جا رہا تھا۔ ایک سیلاب تھا جس نے میرے بحر تخیلات میں ہنگامہ برپا کر دیا۔

مکمل ایک سال تک اس سے ملاقات نہ ہوئی۔

آج ساون کی رنگین فضاؤں میں میرے جذبات بیدار ہوکر کروٹیں بدل رہے تھے۔ اور یوم جدائی کی ساری باتیں رہ رہ کر سکون کی گھڑیاں درہم برہم کر رہی تھیں۔ آج میرے سرہانے کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہوا کے تھپیڑے سے کانپ رہا تھا۔ آہ! آج میں تنہا ہوں نشاط انگیز راگنیاں دم توڑ کر جیسے سینے میں قبر بنا چکی ہیں۔ اور احساس نشو و نما پاکر عہد رفتہ کی آغوش میں لوٹ رہا ہے۔ میرے لئے وہی دن سہانا اور خوش آئند تھا جب میں ملکۂ دل کی راگنی بھری زبان سے نیش آلود باتیں سنتا تھا۔ آہ، کون ہے جو اس دلدوز منظر کی تاب لاسکتا۔ کس کا دل و جگر ہے جو نفرت کے چھا دینے والے الفاظ سن سکتا۔ جس کے دل کے اندر دکھ کی چتائیں نہیں جلتیں۔ وہ دوسروں کے دل کے دکھ کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ کون

جان سکتا ہے۔

اس نے مجھ سے کہا تھا " دیکھو پردیسی مسافر میں بالکل سیاہ ہوں اسی لئے لوگ مجھے کجریا کے نام سے پکارتے ہیں ۔ میں اس زخم کو برداشت کر لیتی ہوں ۔ اس نفرت انگیز نام کا نیش سہنے کی مجھ میں قوت ہے ۔ مگر اے انجان اور بھولے مسافر! تم یہ کہہ کر کیوں میری تذلیل کرتے ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے ۔ اے مرقعِ حسن! تم کیوں اس بدنصیب اور ابھاگی کو حقارت آمیز نظروں سے گھورتے ہو ۔ میں اس تحقیر کی لاج کہاں چھپا کر رکھوں ۔ ہاں جانتی ہوں میں سیاہ کوئلہ ہوں ۔ پھر تم مجھ سے محبت جتا کر مجھے شرم و ندامت کی اندھیری دنیا میں کیوں پھینک رہے ہو ۔ جبھی ، جبھی — مجھ سے محبت کرتے ہو ۔ مگر سن لو او شیام سندر! تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے ۔ میں محبت کی قیمت نہیں دے سکتی ۔ آہ! مجھے اس طرح محبت کی تیز چھری سے گھائل نہ کرو ۔ میرے دل کو زخمی نہ کرو ۔ یہ میری تذلیل نہیں ہے بلکہ میری محبت کی تذلیل ہے ۔ اور اس تذلیل کو کوئی برداشت نہیں کر سکتا ۔ اچھا شیاما الوداع! الوداع!!"

میں نے دل ہی دل میں کہا " اے مغرور لڑکی سنو! تمہیں غرور کے احساس نے اندھا کر دیا ہے ۔ اس لئے تم میرے دل کے سلگتے ہوئے دل کے انگارے کو دیکھ نہ سکیں ۔ تم نے میری محبت نہ پہچانی ۔ میں بھی

تمہاری طرح سیاہ ہوں ۔ مگر تم اپنی زبان سے مجھے خوبصورت کہتی ہو۔ مرقع حسن کہہ کر پکارتی ہو ۔ تمہیں کیا حق ہے کہ مجھے سندر کہو ۔ کیا یہ میرے لئے تذلیل کا باعث نہیں ؟ تم اپنی آنکھوں سے جس طرح مجھے سندر دیکھتی ہو ۔ سن لو اے احمق ! کہ میری آنکھیں بھی تمہارے اندر اس سے زیادہ خوبصورتی کا عکس دیکھتی ہیں ۔ میں نے تمہارے اس سیاہ روپ کو ایک مدت دراز کے بعد ڈھونڈھ نکالا ہے ۔ اور اب تم پھر میری آنکھوں کے سامنے میرے دل کو داغ مفارقت دیئے جارہی ہو ۔ کیوں بولو ، بولو ظالم ! کیا اسی طرح تمہیں سکون ملتا ہے ؟ کیا میرے دل کو کُند چھری سے ذبح کر کے تم شانتی حاصل کرنا چاہتی ہو ۔ نہ جانے میرے اوپر تمہارا کیا حق ہے کہ ہر وقت ، ہر لمحہ تخیلات میں موجود رہتی ہو ! آہ تم مجھے اس طرح چھوڑ کر نہ جاؤ ۔ نہ جاؤ جان ! جس کو محبت پر یقین نہیں اس پر تو فخر نہیں دکھایا جاسکتا ۔ جسے میں پہچانتا ہوں اور جس پر میرا حق ہے اس پر تو مجھے فخر کرنا چاہیئے ۔ اس پر غصہ کی چنگاریاں برسائی جاسکتی ہیں ۔ جسے میں دل اور آنکھوں دونوں میں جگہ دیتا ہوں ۔ جسے میں اپنے احساس کی قندیل سمجھتا ہوں ۔ وہ مجھے کیوں نہیں چاہتی ۔ کیوں وہ بھی مجھ سے اتنا نہیں کہتی ۔" ہاں میں بھی تمہیں چاہتی ہوں "

مگر آہ ! وہ میری تمام باتیں سن کر بھی نہ سمجھی اور چلی گئی ۔ یہ عزدرد

داہنے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر کہنے لگی "اے پردیسی شیامل! میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم نے سچ کہا تھا۔ ہاں! ہاں!! مجھے تم سے محبت ہے تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ حقیقی محبت!"

میں نے دیکھا اس کی آنکھوں کے پپوٹوں میں حقیقی محبت کے آنسو امنڈ آئے ہیں۔ اور وہ تھرتھراتے ہوئے ہونٹ صبح کی شعاعِ اوّلیں کی مانند ہلکی مسکراہٹ کی بارش کر رہے ہیں۔ آہ! اتنی طویل جُدائی کے بعد اس کٹھور اور بےرحم نے مجھے پہچانا۔ اسے دیکھ کر میری آنکھوں سے بھی خوشی کے قطرے ٹپک پڑے۔ لیکن میرے آنسو کا ایک قطرہ جب اس کے نازک ہاتھ پر گرا وہ فوراً تڑپ کر میری آغوش میں آگئی۔ اور خوبصورت پھولوں کی نازک شاخیں اور نرگس کی پتیاں اس کے سر پر لہرانے لگیں۔

پھر ایک انگڑائی لیکر کہنے لگی "تمہیں کیا معلوم کہ میری زندگی کا ایک گراں بار سال کس طرح گزرا۔ روز صبح جمنا میں اشنان کرنے جاتی۔ اور تمہاری یاد سے میرا سینہ دھڑک اٹھتا۔ آنکھیں کپکپا جاتیں۔ خیالات کا اسپ تیز رَو سرپٹ بھاگ جاتا۔ میرے دل کو آج وہی آگ، وہی نیش، وہی خلش بار بار بیکل بنا جاتی ہے۔ میں روز کہتی تھی "میرا پردیسی ضرور آئیگا۔ وہ حسن کا گیت فضا میں لہرا رہا ہے"

اور میں نے اس کے ہاتھوں کو جنبش دیکر کہا "کمری مجھے چھوڑ کر مت

جاؤ "

یہ سن کر اس کے دونوں ہونٹ ہلتے ہلتے تھرتھرانے لگے۔ میں نے دیکھا کہ دُکھ کی شدت سے مجبور ہو کر وہ آنکھوں پر آنچل ڈالے رو رہی ہے اور آنسوؤں کے آتشیں قطرے رخسار احمریں سے ڈھلک کر فرش خاکی کو نم کر رہے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا۔ اس کی دونوں آنکھوں میں پاک تبسم کی نشانیاں دوڑ گئی ہیں۔ مجھے احساس ہوا۔ شاید اس کا یہ تبسم پہلا تھا۔ اس کے بعد اسے پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ یکبارگی اس کا سارا تبسم دُکھ کی تاریک لکیر سے مغموم ہو گیا۔ اور وہ کانپتے کانپتے بولی "نہیں شیام سندر نہیں، مجھے جانا ہی پڑے گا۔ مجھے تم اپنی محبت کا حقیقی فخر لیکر جانے دو۔ چھوڑ دو مجھے ـــ چھوڑ دو پیارے۔ آہ!"

میری آغوش میں اس کا تھکا ہوا سر لوٹنے لگا۔ اور اس ازلی دوشیزہ کو میں نے سینے سے لگا لیا۔ یکایک جیسے فضا کے ذرّے ذرّے میں یہ آواز گونج گئی "اُف! اُف!! اُف!!!"

مجھے احساس ہوتا ہے کہ محبت کے حاصل کرنے کے فخر نے اُسے زندہ نہیں رہنے دیا۔ وہ آج نہیں ہے بلکہ موت کے منہ میں جا کر سیاہ انسان کے خالق کے پاس چلی گئی ہے۔ اب وہ باطنی روپ کا تحفہ لیکر شاید آج میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ سیاہ انسان کا پندار ہمیشہ پوشیدہ رہتا ہے۔ وہ اپنے سیاہ

روپ کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی محبت نہیں کرسکتا۔ اگر کسی نے اس کے ساتھ محبت کا راگ چھیڑا تو اسے یقین نہیں آئے گا۔ ایسے انسان کی زندگی میں یہی سب سے بڑی ٹریجیڈی ہے۔

آج بھی ساون کا مہینہ آیا ہے اور میرے لوحِ دل میں روزِ اوّل کی گجری کا راگ منقوش ہوتا جارہا ہے "گھونگھٹ پٹ کھولو مورے سانوریا!"

اُف رے پردیسی سانوریا۔ تمہارا یہ گھونگھٹ زندگی میں نہیں کھلا۔ نہ کبھی کھلے گا۔

آج جب میری بیکل آنکھوں کے سامنے آسمان کی لہریں تڑپ رہی ہیں مشرق کی ہوا "ہو۔ہو" کر کے جدائی کی دلدوز راگنی میں بہتی آرہی ہے۔ ملہار کے سُروں میں جیسے کسی بھکارن کی چیخ کراہ کر نکل گئی "پیارے! سامنے میری منزل نہیں، نہیں ۔ جان!"

دائمی بارش کی بیکل دھاریں بہہ رہی ہیں ۔ دلنواز! تم اتنے دنوں تک کہاں تھیں ۔ اس سال بارش کا بادل میری نظروں میں اس طرح دکھائی دے رہا ہے جیسے دل میں بہت سے تیر چلادیگا۔ آخر کیوں؟ آہ میری گم شدہ چشمِ تمنا۔ تمہارے دل کا راز، حسین ترین راز میں نے اس بادل میں سنا ہے۔ سنا ہے جان!

یہی تو تمہارے حسن کی جھلک ہے۔ رانی! دیکھو تمہاری آنکھوں کا سیاہ کاجل میری آنکھوں کے پپوٹوں میں بہہ کر آ گیا ہے۔ جانِ حیات مجھے تم نے بار بار دل کے دیس میں گم کر دیا تھا۔ اس دفعہ تو میں نے تمہیں آنسوؤں کی لڑیوں میں باندھ دیا ہے۔ اب بھاگ کر کہاں جاؤ گی۔ لوہے کی زنجیریں میں نے ہمیشہ کاٹی ہیں۔ مگر میں تم کو ـــ اے مکتی بن کی شریر پنچھی۔ آنسوؤں کے بندھن میں باندھ کر مقید نہیں کر سکوں گا۔ دیکھو میں نے تمہیں اس گہرے نیلے بادل کی آغوش میں، نرگس کی سبز پتیوں کے اندر اور بھیگے ہوئے دھان میں پایا ہے۔ دیوی! تمہارا یہ شیام! اپنے سحر انگیز حُسن کہاں چھپائیگا۔ یہ سنہرا آسمان ـــ یہ سبز میدان، یہ شام کا ڈوبتا اُفق۔ ان ہی چیزوں میں تمہارا شیام ہمیشہ ملے گا۔ سنو! آج میں ساون کے رنگیلے دھان کے کھیت میں بیٹھ کر گا رہا ہوں:ـ

میری آنکھیں درد و غم سے رو رہی ہیں بار بار
کھو دیا ہے کیا حقیقت میں محبّت کا پیار
پیش قدمی کر رہا ہے پھول کا دردِ نہاں
غنچۂ نرگس ہیں دیکھو آج کیوں شبنم فشاں؟

جو ہی میں نے آنکھ بند کرنے کی کوشش کی اچانک بارش کے بڑے بڑے قطرے "رم جھم" گرنے لگے۔ ایسا ہی شور تھا اس دن بھی جیسا شور

آج کی بارش میں ہے۔ آسمان کا سمندر جیسے اُلٹ گیا ہے۔ شاید اب بارش نہیں رُکے گی، نہیں تھمے گی۔

بارش کی بوندوں میں کانپتے کانپتے میں نے دیکھا۔ آنکھوں کے سامنے بحرِ تخیلات میں دریائے پدما بہتا ہوا چلا جا رہا ہے۔

سلاخوں کے پیچھے

ابتدائیہ

جانِ حیات تمہاری ہی وجہ سے تو نامعلوم دکھ کا آتش فشاں پھٹ پڑا ہے ۔

بولو ! میرے ساتھ تمہارا یہ فریب تمہیں زیب دیتا ہے ؟

نہ جانے کیوں تمہارے شر و فساد کی ستم رانیاں مجھے سسکیاں لینے پر مجبور کرتی ہیں ۔

آنکھوں سے قطرہائے اشک بہتے ہیں ۔ اور کلیجہ کٹ کٹ کر خون کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے ۔

ہاں ، ہاں مجھے اپنا یہ دُکھ معلوم ہے

تم بھی جانتی ہو جانِ تمنا

پھر اتنی کٹھور اور سنگدل کیوں ہو ؟

سمجھ میں نہیں آتا ، میری سمجھ میں نہیں آتا ۔

شرم و حجاب ہے یا غرور و نخوت ! !

جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ تمہاری نفرت میرے لئے کس قدر وجہ جانکنی ہے ۔

اس وقت چھاتی کے اندر شمشیر کی انی چبھتی ہے اور خوف سے چیخ نکل جاتی ہے ۔

میں تمہاری جتنی ضربیں سہتا ہوں
تم اور سنگدلی کا مظاہرہ کرتی ہو
اچھا جان ستاؤ ، اچھی طرح میرے دل کو مسل ڈالو
دیکھو تمہاری ضرب کا نشان
اب تک دل کے پردے میں نمایاں ہے ۔

سلاخوں کے پیچھے

پریسیڈنسی جیل۔ کلکتہ
آزادی کے دن کی آخری گھڑی!

جانِ حیات!

آج مفارقت کی دلدوز گھڑی ہے۔ یکے بعد دیگرے میں نے سبھوں کو خدا حافظ کہا صرف تم باقی ہو۔ آہ! تم۔ میں نے سوچا تھا کہ جدائی کے دن تمہارے شیشۂ دل کو عہدِ رفتہ کی الم انگیزیوں سے پاش پاش نہیں کروں گا۔ لیکن افسوس تمہارے ساتھ سلسلۂ کلام تک نہ ہوا۔ کاش! صرف ایک بار، تمہاری مینا بدوش آنکھوں اور احمریں لبوں سے تشنگی

شوق بجھا سکتا ۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ میرے ان زخم خوردہ الفاظ کو سن کر تم خنجر آبدار سے اپنی چھاتی چیر ڈالوگی ۔ اور محسوس کروگی کہ میرے حافظہ میں اب تک ماضی کی تلخیاں کروٹیں لے رہی ہیں ۔ اور ملاقات کی آخری گھڑیاں تصویر درد بن کر آنکھوں کے سامنے عکس ریز ہیں ۔

میری گفت گو سے تمہارے دل کو کبھی سیرابی نہیں ہوئی ۔ شاید آج بھی میرے خط کے الفاظ نیش عقرب ثابت ہوں گے ۔ لیکن جان ! اس خط کے ایک ایک لفظ کو غور سے پڑھنا کیونکہ اس میں ایک پریشان خاطر بھکاری، رنجور، مسافر اور مظلوم خانہ بدوش کی غمناک راگنی کی جھنکاریں سمائی ہوئی ہیں ۔ میں نے اس کے اندر اپنا کلیجہ اتار ڈالا ہے ۔ آج میں بہت کٹھور اور ظالم بن گیا ہوں کیونکہ میں دکھ اور درد کی خلش سے تڑپ رہا ہوں ۔ وہ دکھ جس نے مجھے باغی بننے پر مجبور کیا ہے ۔ موجودہ شہنشاہیت سے نبرد آزمائی کرنے پر ابھارا ہے ۔ میں آج دریا کے بیکل تھپیڑے کے مانند سخت چٹان کا کلیجہ چاک کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں ۔

وہ انسان جس کی کتاب زندگی کا ہر صفحہ ہوا کے دوش پر منتشر ہو رہا تھا آج وہ ان منتشر صفحوں کو ترتیب دے رہا ہے ۔ کتنا احمق ہے وہ انسان لیکن یاد رکھو اس کا یہ آغاز انجام کی شکل میں نمودار ہوگا ۔ اور پھر یہی انجام آغاز بن جائے گا ۔

اس وقت جبکہ میں آہنی نب سے کاغذ کا مُنہ چیر رہا ہوں ماضی کی کہر آلوُد تصویریں دعوتِ دید دے رہی ہیں۔ اور ان تصویروں میں شام کا ایک دھندلا سا منظر یاد آرہا ہے۔ جس وقت تم نے مجھ سے دریافت کیا تھا "کس طرح تندرست ہو گے ؟"

تمہاری کنواری زبان سے اپنی علالت کا حال سُن کر میری کمزور رگوں میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ اور جیسے کسی نے میرے گالوں پر طمانچے رسید کئے تھے۔ اور گھر کی شکستہ دیوار کو دیکھ کر سوچنے لگا تھا ــــ ہائے میری زندگی کے صاف و شفاف آسمان میں سیاہ بادل۔ ہائے میری محبت میں گھناؤنی شکل! میں نے تمہارے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ اور دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یقین مانو اس وقت میرے دکھ کے مندر میں جیسے سنیاسی کی بے ثمر بار زندگی چیخ اٹھی تھی۔ اور غم آلود زندگی کا سربستہ دُکھ یکایک منتشر ہو کر فضا میں سسکنے لگا تھا۔ جس کے لئے میرے سینے میں اتنا دکھ ہے۔ جس کی خاطر میں نے اپنا شباب لٹا دیا۔ وہ آکر پوچھتی ہے ـــ "کس طرح تندرست ہو گے" آہ!

یہ سن کر میں نے نیند کی شیریں آغوش میں کھو جانا چاہا۔ کیونکہ تمہاری مسرور آنکھیں میری اشک بار آنکھوں کو گھور رہی تھیں۔ میں تم سے کس طرح کہوں کہ تمہاری قربت میرے سکون کو اور متزلزل کر دیتی ہے ـــ جس کو میرے دردِ دل کا احساس نہیں، جس کے پہلو میں رحم و کرم کا خمیر نہیں۔ وہ بیدرد اور

سفاک اشکوں کی روانیاں کیوں دیکھے، وہ دُکھ کے سُرخ انگارے پر آبپاشی کیوں کرے۔

میں نے دیکھا چند لمحے تک تم کھڑی رہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ رخصت ہوگئیں۔ شاید میرے ان الفاظ کو پڑھکر تمہاری مخمور پلکیں شباب وشعر کی بادہ پرور فضا میں ناچ رہی ہوں گی۔ اور تمہاری گداز چھاتیوں کے اندر ہزاروں میخانے تیر رہے ہوں گے۔ لیکن آہ! میری حالت نہ پوچھو۔ میں ایسا بھکاری ہوں جس کا دل اندھا اور گونگا بن گیا ہے۔ اگر میرا دل اندھا اور گونگا نہیں ہے تو پھر میں نے بن کہے تمہارے سامنے کیوں آنکھیں موند لی تھیں۔

تمہاری رخصتی کے بعد نفرت و حقارت اور رنج و محن کا چراغ جلاکر اشکوں کی لڑیاں پرونے لگا۔ اس وقت آفتاب کا شباب ڈھل چکا تھا۔ اور تاریکیاں روشنی پر حاوی ہو چکی تھیں۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر آیا۔ دوست و احباب آئے۔ سبھوں نے کہا۔ پیٹ کی انتڑیاں اپنی جگہ سے ہٹ گئیں۔ لیکن ڈاکٹر بولا۔ "نہیں مریض کا دل کسی یکایک حادثہ سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔ اس کا انجام دردناک ہوگا۔ ۔ ۔ ۔"

ڈاکٹر کے باقی الفاظ میں نے مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں قندیل حیات کی مدھم روشنیاں بہت جلد دم توڑ دیں گی ڈاکٹر!" "نہیں نہیں"۔ میں نے کسی کی غم آلود آواز سنی۔ میرے حواس منتشر ہو رہے تھے، رفتار نبض میں

سرعت آگئی تھی ۔ اور میں سوچنے لگا تھا : کیوں ؟ آخر آج اتنی ہمدردی کیوں!
کیا واقعی وہ . . . . " میری پلکیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں ۔ اور اس
کے بعد میں اُداس ہو کر سو گیا ۔ تمام دوست و احباب رخصت ہو چکے تھے ۔
عالم خواب میں مجھے محسوس ہوا کہ تمہاری شہابی انگلیاں میرے سینے پر رکھی
ہوئی ہیں ۔ اور تمہاری بادہ ریز آنکھوں میں لاتعداد کنول کھلے ہوئے ہیں
میں نے فرطِ محبت میں مدغم ہو کر تمہارے گلے میں باہنیں ڈال دیں اور پکار اٹھا
"جانِ حیات ! جب پلکیں وصال کے مزے اٹھا چکیں اور ایک دوسرے
سے جدا ہوں " ۔ میں نے دیکھا ، ایک خلا ہے ، جہاں میں اشہب تخیل
دوڑا رہا ہوں ۔

اس دن سے میں نے بہتیری کوششیں کیں کہ تمہیں ایک بار ہی اپنی
چھاتی سے کھینچ لوں ۔ ایک بار ہی [illegible] لبوں پر شیریں بوسے پیوست کر دوں
مگر آہ ! یہ سوچ سوچ کر دل تیزی سے دھڑک اٹھتا اور میں ایک چیخ مار کر
بیہوش ہو جاتا ۔

کچھ دیر بعد میں نے لوگوں کے سامنے ماضی کی داستان کا آغاز کیا ۔
اس وقت میرے چہرے پر بشاشت تھی ۔ اور میں ہنس ہنس کر سبھوں سے
مخاطب ہو رہا تھا ۔ تمہیں میری اس یکایک تبدیلی پر ضرور حیرت ہوئی ہوگی
کیونکہ میں تمہارے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا ۔ اگر واقعی یہ بات تھی

توکیوں نہیں مجھ سے کہدیا تھا تاکہ میری یہ جاں سپاس زندگی جو "دیوداس" کا جاں گسل منظر پیش کر رہی ہے مٹ جاتی۔ آہ! میری ناتمام اور شکست خوردہ زندگی!

ایک دن جب میری آنکھوں سے جلترنگ کی موسیقیاں ابل رہی تھیں مجھے احساس ہوا کہ میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں:

"میری راہ پُر از آشوب کیوں ہے۔ سارا دن تمھیں پانے کے لئے بیکل رہتا ہوں اور تم یہ دریافت کرتی ہو "کس طرح تندرست ہو گے؟"

دن کے ڈھلتے ڈھلتے میرا دل بھی ڈوبا جا رہا ہے۔ آنسوؤں کی بیشمار لڑیاں فرشِ خاک پر گر کر جذب ہو گئی ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا جان! کہ سینے میں کیسی ہلچل پیدا ہوتی ہے۔

مجھے گمان ہو رہا ہے کہ اس وقت تمھاری نس نس میں شباب کے سیمیں قہقہے سمائے ہوئے ہونگے اور تمھاری شرابی آنکھیں فرطِ مسرت میں رقص کر رہی ہوں گی۔ ہنسو، خوب ہنسو! یہانتک کہ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ تمھاری نظروں میں گھومتا نظر آئے۔ عورت کا شباب کیا ہے؟ قہقہے اور مسرّت کا منبع! لیکن ایک میں ہوں کہ آہنی سلاخوں کے اندر زندگی کے شکستہ پہیے کو گھسیٹ رہا ہوں ـــ اپنی حرماں نصیبی کا ماتم کر رہا ہوں! کتنا بدبخت اور کتنا بدنصیب ہوں میں! لیکن یاد رکھو تمھارے نکھرے شباب کے رو پہلے دن

اور رات ایک دن حباب آسا بن جائیں گے۔ تمھاری رنگین خوشیوں اور شیریں قہقہوں میں بجلیاں کوند اٹھیں گی۔ اس دن تم یاد کروگی اس دکھی انسان کو جو آج تمھاری گھٹا بردوش نگاہوں میں حقیر ہے۔ اور اسی دن تم اس کی محبّت کا راز سمجھوگی۔

جس وقت میرے نغمہ بار ہونٹ ہوا میں تھرتھرا رہے تھے اُس وقت میں نے دیکھا ایک نامعلوم ہاتھ میرے بہتے ہوئے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس ہاتھ کا لمس اتنا پیارا اور فرحت بخش تھا کہ میرے دل کی ساری چنگاریاں سرد ہوگئیں — اور میری زبان سے یہ آواز نکل پڑی —
"اے میرے مالک! کیا آج شام کی آرتی بے ثمر بار نہیں جاسکتی —؟"
بتاؤ میری کلی یہ کس کا نازک ہاتھ تھا۔

شاید تمھیں یاد ہوگا کہ ایک دن میرے پہلو میں آکر تم نے اپنے باریک حنائی آنچل سے اپنا رخِ زیبا چھپالیا تھا۔ کیوں؟ — شرم وحجاب سے؟ یا سکھ پاکر! یا دکھ کی شکل دیکھ کر! سمجھ میں نہیں آتا آخر کیوں؟ میری اس ناسمجھی ہی نے تو مجھے اتنا مضمحل بنادیا ہے۔ بڑی منتوں اور خوشامدوں کے بعد تمھارے لب کو جنبش ہوئی تھی۔ لیکن پھر شرم سے تم نے منہ کو چھپالیا۔ اگر اس دن تم دروغ بافی ہی سے کام لیکر کہہ دیتیں صرف اتنا "میرے پیارے!" نہیں نہیں۔ جانے دو ان فرسودہ باتوں کو!

اس جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں جہاں میں سڑ رہا ہوں دل و دماغ میں شاعری کا آبشار پھوٹ رہا ہے۔ اور میرے لبوں سے حسین نظمیں فضا میں بلند ہو رہی ہیں۔ شاعری کی اس نئی تخلیق کو تمھاری محبت کا اعجاز کہوں یا کیا۔ لیکن شاعری کے رس کو پاکر بھی میری زندگی پریشانیوں کا مرقع کیوں ہے؟ کیوں نہیں آسمانِ زندگی میں جگنو چمکتے اور ستارے قہقہہ لگاتے؟ کیوں نہیں تخیل محبت میں نقرئی قہقہے انگڑائیاں لیتے؟ میرے ان بے ربط الفاظ کو پڑھ کر تم سوچ رہی ہوگی کہ تمھارا تمسخر اُڑا رہا ہوں۔ نہیں جانِ ایسا خیال نہ کرو۔ جب میں نے یہ جان لیا کہ تمھاری گھنیری دراز پلکوں میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں نے اپنی خودی سے محبت کرنی شروع کی۔ یہی میری محبت ہے۔ اور یہی پندارِ محبت۔ شاید یہی وجہ ہے کہ لوگ اب مجھے نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔

نہ جانے کتنی کنواری البیلی دوشیزائیں میری خاردار راہ میں آئیں، اور ان کے نازک احمریں ہونٹوں سے محبت کے کشش انگیز راگ پھوٹے۔ لیکن میں نے آنکھیں موندلیں اور کان بند کر لئے۔ کیونکہ میں بندۂ خودی ہوں اور یہ بھی احساس ہوا تھا کہ یہ حسین ناگنیں تو میری ہم رکاب نہیں ہو سکتیں۔ پھر کیوں میں ان کی رس بھری جوانیوں کو چوس لوں؟ اس لئے ہی میں ان کے دامِ فریب سے دور بھاگ گیا تھا۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ میری محبت کا چھاپ

ان کے دلوں میں منقش ہو جائے اور انجام کار پشیمانی کا منہ دیکھنا پڑے۔

میرا برسوں کا تجربہ ہے کہ جب بھی میں نے کسی حسین چیز کو دیکھا حُسنِ جہانتاب پر نگاہیں پڑیں، میری خودی فوراً اسیر ہو گئی۔ اسی لئے جب بھی میں دیکھتا ہوں کہ محبّت کا دیوتا اپنے ترکش کا تیر میرے جگر میں پیوست کرنا چاہتا ہے میں اس راہ سے کترا جاتا ہوں۔ اسی کش مکش میں میں نے بہتوں کو بھلا دیا۔ میرے ساتھ بے شمار کنواری دوشیزاؤں نے محبّت کا اظہار کیا۔ لیکن میں نے سبھوں کے دلوں کے اندر بیوفائی کی بُو پائی ــ میں مسافر ہوں، آوارہ ہوں، صحرانوَرد ہوں ــ اور اسی صحرانوردی میں میرے ساتھ ایک دل نے پیمانِ محبّت باندھا۔ لیکن صد حیف کہ وہ میری محبّت نہ پا سکی۔ ان باتوں کو دیکھ کر سب نے مجھے مغرور کا لقب دیا۔ معلوم نہیں کیوں اور جب میں نے محبّت کی حسین لڑیوں میں سما جانا چاہا تو میری چھاتی میں نسوانیت کی ٹھوکروں کی شدید ضربیں لگیں۔ اور میں حباب کی طرح پل بھر میں چُور چُور ہو گیا۔

کتنی حسین دوشیزاؤں نے مجھے اپنی دلفریب رنگینیوں اور حسن کی لازوال لہروں میں مدغم کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن میرے دل نے ان کی موسیقیوں کی جھنکاریں نہیں سُنیں۔ کیونکہ ہمیشہ میرے ضمیر سے یہ آواز بہ صد ہنگامہ مائل پرواز ہوتی ہے۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

ہائے میرے غیر آسودہ دل! پھر تجھے کس کی کی تلاش ہے؟ تیری آنکھوں میں کس کا جلوہ رقصاں ہے۔ وہ مغرور کون ہے جو صحن میں پھولوں کا ہار لیکر فرشِ راہ ہے — میرے دل کی جو ملکہ ہے اُسے نہ پاکر ہی میری یہ زندگی نشاط و عیش کے مرمریں جلووں سے دور ہو گئی ہے۔ آج میرا یہ احساس مجھے بیکل کر رہا ہے کیونکہ میں نے ان کنواری دوشیزاؤں پر نگاہیں کیوں ڈالیں۔ انھیں کے عکس جمیل نے تو میرے ذہن و فکر کو روند ڈالا ہے۔ لیکن یہ یاد کر کے مجھے کچھ سکون ضرور ہوتا ہے کہ میں نے کسی کی بے عزتی نہیں کی — کسی کے معصوم دل کو اپنی محبت میں اسیر کر کے بے دردی سے نہیں ٹھکرایا۔ بلکہ میں نے ہی دست بستہ اُن سے معافی مانگی۔ اور ہمیشہ ان کے مقدس حُسن سے کترا تا رہا۔ کسی دن بھی ان کی راہوں میں خلیج بن کر حائل نہیں ہوا۔ کبھی میں نے ان کی قربت حاصل نہیں کی۔ میری اس خودی کو دیکھ کر بے شمار زبانوں نے مجھے ملعون کہا۔ لعنت و ملامت اور دشنام دیئے۔

ایک دن جب میں فاتح جو المزد کی طرح خاردار راہوں میں اپنے رتھ کے اوپر چلا جا رہا تھا تو صبح کے وقت ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ یکایک میرا رتھ چلتے چلتے رُک گیا۔ اور میرے دل کے پردوں سے نغموں سے لبریز یہ آواز سُنائی دی " پالیا۔ پالیا "

لیکن نہ جانے کس دُکھ درد کے زیرِ اثر تمھارے لبِ لعلیں کو جنبش ہوئی

اور بولیں " پیارے الوداع! تم میرے نہیں۔ میرا تصور بھی دل و خیال سے دھو ڈالو "

اتنے دنوں تک کسی نے میرے چلتے ہوئے رتھ کو روکنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ نہ جانے کتنی لڑکیاں رتھ کے پہیے کے نیچے فرطِ محبت میں کچل گئیں! لیکن آہ! آج کیا ہو گیا۔ رتھ کی رفتار ختم کیوں ہو گئی۔ جان! اس دن تم سنگدل بن کر صرف مجھے الوداع کہہ کر چلی گئیں۔ مجھ بدنصیب مسافر سے باتیں کرنا گوارا نہ کیا۔ بتاؤ یہ کہاں کی ریت ہے۔

لیکن تمہاری اس بے رخی سے مجھے دکھ نہیں ہوا۔ اور میں نے تمہارے گلے میں اپنی زندگی کا بیش قیمت ہار ڈال دیا۔ تم سر جھکائے کھڑی رہیں۔ میں نے تمہاری اس خاموشی کا مطلب نہیں سمجھا۔ دل میں بگولے اٹھنے لگے۔ اور آنکھیں اشک ریزی کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ نہیں معلوم تمہیں میری اس جرأت بیجا سے خوشی ہوئی یا غم۔ کاش! میں تمہارے راز کو جان سکتا۔

مگر تم پر مجھے جتنا بھی فخر ہو اس کے یہ معنی نہیں کہ تم مجھ سے برگشتہ خاطر ہو جاتیں۔ میں نے تو تمہارے راز نہ جان کر ہی محبت کی ہے۔ اور اپنی جانِ تمنا سمجھ کر ہی گلے میں ہار ڈال دیا۔ میرے دل کے اندر کانٹے کی جو خلش پوشیدہ تھی جس کی تلاش میں مسافر بن کر مارا مارا پھرتا تھا اگر اسے ڈھونڈھ نکالا تو بتاؤ میں نے کیا گناہ کیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم شکست خوردہ باغی کو کہا

سے سہن کر ہار ڈلوانے کی بجائے پاؤں سے ٹھکرا کر چلی جاؤ گی۔ لیکن تمہاری اس کجروی کا جُرم تمہارے سر نہیں ڈال سکتا۔ میں جانتا ہوں جان! اچھی طرح کہ کسی انسان کا دل دوسرے کا سہارا لینا نہیں چاہتا۔ وہ جس سے محبّت کرنے کی تمنّا دل میں رکھتا ہے دل اس کو نہیں پہچانتا۔ دل! اپنے محبوب کی خاطر تڑپ تڑپ کر جان دے سکتا ہے لیکن اسے دوسرے سے محبّت نہیں ہو سکتی۔ کتنی مدّت سے میں تمہیں حاصل کرنے کے لئے بھکاری بنکر سطح گیتی کا گشت لگا رہا ہوں۔ لیکن ساری کوششیں نقش بر آب ہو جاتی ہیں۔ آہ! آج تم بھی میری گرفت میں نہیں آ سکتیں۔ نہ جانے کب کس جنم میں اور کس نامعلوم دنیا میں اپنا گھر بساؤں گا۔

کل رات میں تمہارے خط کو پڑھتا رہا۔ بار بار پڑھا۔ لیکن آہ! اس کے اندر مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ تاکہ میرا باطل خیال اور کھوکھلا یقین بدل جاتا۔ میرے دکھ درد نے دل میں ہزاروں نکیلے خار چبھو دئے۔ کتنی برچھیاں پیوست کیں لیکن شمع حیات اب تک فروزاں ہے۔ تمہارا خط پڑھ کر میری پلکیں بھیگ گئیں۔ بالکل اسی طرح جیسے شبنم کے قطرے سے گل اس بھیگ جاتی ہے۔ میں نے خط کو نہ جانے کتنی بار پڑھا۔ مگر یہ الفاظ کہیں نظر نہ آئے "مجھے تم سے محبّت ہے" تاہم اتنے دنوں تک اپنے ارادے کو مستحکم رکھ کر اور اپنی خودی کو بلند کر کے تمہیں خط لکھتا رہا۔ آج ارادے کی وہی استقامت

اور خودی کی وہی سرفرازی میرے جگر میں پیہم خلش کا گھاؤ عنایت کر رہی ہے۔ مگر واہ رے محبت کی جولانیاں کہ تم سے مفارقت پسند نہیں۔ اسی لئے آج ملحد بن کر یہ کہتے ہوئے اپنی زندگی کو موت کی بھینٹ چڑھانا چاہتا ہوں کہ دُنیا میں محبت جیسی چیز بالکل عنقا ہے۔ محبت کر کے محبت کو نہ پانا کیا محبت کے وجود کی یہی دلیل ہے۔ جو انسان گوناگوں مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد ملحد بن جاتا ہے وہی اس حقیقت کو جانتا ہے۔ محبوبہ کی دی ہوئی دکھ کی نشانیاں محبوب کے لئے سکھ کا تحفہ ہیں۔ لیکن دل کو ہزاروں مشکلات میں اسیر کر کے محبت کو حاصل نہ کرنا۔ کیا یہی راہ حقیقت ہے۔

مرد ازل سے عورت کے دل کو فتح نہیں کر سکا۔ عورت کا باطنی راز سمجھنا بہت دشوار ہے، بہت کٹھن ہے۔ عورت سب دے سکتی ہے لیکن دل کا سربستہ راز اور پوشیدہ نشانیاں آشکارا نہیں کر سکتی۔ میں نے سُنا ہے کہ عورت کو دل دینا جہنم کے لپکتے ہوئے شعلوں میں اپنی ہستی خاکستر کر دینے کے مترادف ہے۔ لیکن جان! مجھے تمہارے اوپر اتنا فخر کیوں ہے، جانتی ہو؟ صرف اس لئے کہ تم نے میری سخت سے سخت جھڑکیاں برداشت کی ہیں۔ اور تمہاری تیوری پر بل نہ آیا۔ کبھی میں نے تمہارے نازک کنول جیسے ہونٹ میں شیریں تبسم کی بجائے زہر ہلاہل نہیں دیکھا۔ اور نہ میں یہ جان سکا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے یا نفرت! ان باتوں کو

سوچ کر میرا سینہ پھٹا جاتا ہے ۔ میں ملتجی ہوں جان! کہ تم اپنے خطوط میں میرے ان تلخ الفاظ کا ذکر نہ کرنا ۔ مجھے یقین ہے کہ تم انھیں بالکل پوشیدہ رکھوگی ۔ اگر میں نے جیل کی سنگین سلاخوں سے نجات حاصل کر لی تو ایک بار پھر دل سے بغاوت کر کے تمھیں پانے کی کوشش کروں گا ۔ لیکن کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے ۔ اُف! کس کے ساتھ میں نے سلسلہ کلام آغاز کیا ۔ کون سنگدل اور گونگا دیوتا میرے دُکھ کی راگنی سُن رہا ہے ۔

جانتی ہو کبھی کیوں نہیں ہو سکا ۔ صرف اس لئے کہ میں عام انسانوں کی مانند مجازی محبّت کے بندھن میں جکڑنا نہیں چاہتا ۔ میری آنکھیں روزانہ مشاہدہ کرتی ہیں کہ مرد عورت کے ساتھ بڑے خلوص و محبّت سے پیش آتا ہے ۔ کبھی نوک جھونک ہوتی ہے ، پھر وہی پیار ۔ اسی طرح ان کی زندگی کی منزلیں طے ہوتی رہتی ہیں ۔ شادیاں ہوتی ہیں ۔ بچّے پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہی بچّے سن بلوغیت کو پہنچ کر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں بہو گھر میں آتی ہے ۔ عیش و عشرت کی ترنگیں پھوٹتی ہیں ۔ لیکن وہ بیچارہ اس راز سے بیخبر ہے ۔ اور شاید جاننے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا کہ جس کے ساتھ اس نے اتنے دنوں تک رنگ رلیاں منائی ہیں ۔ اس کے دل کا حکمراں نہ بن سکا ۔ جسم تو گوشت پوست کا ایک لوتھڑا ہے ۔ اس پر قابض ہونا کہاں کی دانشمندی ہے ۔ اس راز کو میں نے جس دن سے سمجھا ہے میں کسی کے

ساتھ پیمانِ محبت باندھنے سے ہمیشہ کنارہ کشی کرتا ہوں ۔ مبادا کہ وہ میرے زانو پر سر رکھ کر اور میری شریکِ حیات بن کر دوسروں کی محبت میں بیکل ہو وہ اپنی غم گزیدہ زندگی کو سکھی بنانے کے لئے دوسروں کے ساتھ سلسلہ محبت قائم کرے ۔ ان باتوں کو سوچ سوچ کر دل کا زخم اور ہرا ہو جاتا ہے اِس لئے میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اسی کے ساتھ اپنا گھر باؤں گا جس کے دل کی پہنائیوں میں میری محبت کی جلوہ پاشیاں ہوں گی ۔

بتاؤ جانِ تمنا ! میرے ساتھ اتنی سنگدلی کیا معنی رکھتی ہے ۔ میں نے اپنی اس پیہم خلش سے یہ معلوم کیا ہے کہ جب تمھاری محبت میری دُکھی زندگی کے لئے بارآور نہ ہوگی ۔ اور جب عالمِ یاس و سراسیمگی میں دُنیا سے کنارہ کش ہونا چاہو گی ـــــ اسی دن میرا تصوّر تمہارے لئے وجہ سکون ہوگا ـــ اور اس بات کو یاد کر کے سینہ کوبی کرو گی کہ اس دُنیا میں ایک بدنصیب تھا جس نے تم سے محبّت کی بھیک مانگی تھی ۔ اور تم نے دینے سے انکار کر دیا ـــــ چشمِ آرزو ! یاد رکھو ، وہ بدنصیب انسان تمہیں پا کر سر کا تاج بناتا تمھیں دل کی ملکہ بناتا اسے تمہاری محبّت پر فخر تھا ۔ اس کی موہوم امیدیں تم سے وابستہ تھیں ۔ تمہیں نہیں چاہئے تھا کہ اس کی سُنہری امید کو توڑ کر جدائی اختیار کر لیتیں ۔ تمھاری اس دامن کشی نے اس کی نشاط انگیز راگنیوں کو آنسوؤں کی لڑیوں میں تبدیل کر دیا ہے ۔ یہ بھی سن لو کہ اس کے بیقرار

دل کو کہیں قرار نہیں مل سکتا۔ ہمیشہ کی طرح ہاتھوں میں اشکوں کا ہار لیکر اپنی بیکل زندگی کا بوجھل پہیہ گھسیٹتا مارا مارا پھریگا۔ اس کی آغوش تمھارے لئے ہر وقت کشادہ رہے گی۔ اس نے تم سے اپنی حقیقی محبت کا اعتراف کر کے دانستہ اپنی گردن پر تلوار ماری ہے۔ وہ دن بھی یاد کرو جب تم نے اس کو اپنی ترانہ نواز صداؤں اور اپنے شبِ ماہ کے طرہ ہائے گل سے جدا کر دیا تھا۔ لیکن اس نے تمھاری ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اس کے لبوں پر صرف بانسری کا درد انگیز راگ پھوٹتا رہا۔ اور پلکیں ساون بھادوں کا منظر پیش کرتی رہیں۔

دوران تحریر میں اور ایک بات میرے ذہن میں آگئی۔ اُسے بھی سناتا ہوں۔ کل تمھارا خط پڑھتے پڑھتے یکایک احساس ہوا۔ آخر کوئی دوسرا تمھارے ساتھ محبت کی پینگیں کیوں بڑھائے۔ اُسے کیا حق ہے کہ تمھاری غزالی آنکھوں اور شیریں لبوں سے کھیلے۔ ان باتوں کو سوچ سوچکر میرے دل کے اندر جیسے شمشیر لوٹنے لگتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم صرف میری بن کر رہو۔ صرف میری۔ اور میں تمھارے حسن و جمال کی پرستش کروں۔ جب میں دیکھتا تھا۔ کہ دوسرے بیوقوف تمھاری مینا بدوش آنکھوں کو گھورتے ہیں اس وقت میرا دل چاہتا تھا کہ ان کے دیدوں میں چنگاریاں ڈال دوں۔ لیکن آہ تمھارے خیال بہجت افزا سے میں مجبور محض ہو کر

رہ جاتا ۔ اس کے بعد بہت دنوں تک یہ خیال دل و دماغ میں پرورش پاتا رہا کہ تمھیں جنگل کی گھنی آغوش میں بھگا لے جاؤں جہاں صرف تم ہوگی اور میں ۔ جہاں ہم دونوں دُنیا کی بلاخیز ہنگامہ آرائیوں اور قدرت کی سرد مہریوں سے دور ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں ۔ کتنی بار میں خودی کو تیاگ کر تمھاری محبوب پلکوں کی جھالر دل میں آیا تاکہ ایک بار بھی اپنی شہابی ہونٹوں سے میری محبت کا اقرار کرلیتیں ۔ لیکن آہ ! تم برابر میرے سامنے خاموش رہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دل کا پھوڑا مزید خلش پہنچاتا رہتا ہے کاش میں تمھارا باطنی راز جان لیتا ۔ تو زندگی کی مضمحل گھڑیاں مسرو مفتخر بن جاتیں

جس وقت تمہاری ننھی انگلیوں میں میرا خونچکاں لفافہ پہونچے گا ۔ اس وقت میں تمھارے خوش رنگ اور بیتاب پہلو سے بہت دور جیل کی آہنی سلاخوں میں بند ہوں گا ۔ مرد دُنیا کی احمق ترین مخلوق ہے ۔ وہ عورت کی محبت کو فتح کرنے کے لئے اپنی خودی تک تج دیتا ہے ۔ وہ اس کے طلسمی حُسن اور معصوم دسترت ناک نگاہوں کے سحر انگیز دام میں اس طرح اسیر ہوجاتا ہے کہ اپنی شان وعظمت تک کی پرواہ نہیں کرتا ۔ وہ عورت کی نازک انگلیوں سے کھیلنے کے لئے ، اس کی نورانی صباحت سے اپنی تشنگی دور کرنے کے لئے بیش قیمت گھڑیاں برباد کردیتا ہے ۔ لیکن تم عورتوں کے دل کے اندر کیا راز سربستہ ہے ، وہ دیکھنا نہیں چاہتا ۔ وہ کنگال محبت

کا بھوکا انسان صرف تمھارے بلوریں رخساروں کا لمس چاہتا ہے۔
لیکن آہ! تم نے اس بدنصیب انسان کی محبّت کا جواب دینے سے گریز کیا
میں اسی لاینحل معمّے میں پہروں الجھا رہتا ہوں۔ لیکن حل کی کوئی صورت
نظر نہیں آتی۔

تمھیں نہیں معلوم کہ عورت کو مرد کی شریکِ زندگی بتایا گیا ہے۔
اس کا فرض ہے مرد کی اطاعت کرنی۔ اس کے دکھ سُکھ میں کام آنا۔ اگر تم
نے خدمت کرنی، دُکھ سُکھ میں کام آنا اپنا معمول بنا لیا تو تم دیوی بن سکتی ہو
اس دکھی کے دکھ کو سمجھ کر ہر قسم کا تیاگ قبول کر سکتی ہو۔ لیکن تمھارا یہ کہنا
کہ تمھیں سبھوں سے محبّت ہے بالکل جھوٹ ہے۔ یہیں تو مرد ابلہ فریبی
کا شکار بن جاتا ہے۔ اگر تم نے مرد کی اطاعت اور محبّت کرنی شروع کی تو وہ
تمھاری نشاط زندگی میں اضافہ کر دے گا۔ لیکن کتنی نادان ہو تم کہ تمھیں اسی
سے محبّت ہوتی ہے جس کو تم سے محبّت نہیں۔ اور تم اسے اپنے دل کی مسند
پر راجہ بنا کر بٹھانا چاہتی ہو۔ بتاؤ کیا یہ کبھی ممکن ہو سکتا ہے۔

اور تم سے زیادہ تو احمق ہے وہ انسان جو تمھارے ظاہری حسن اور
ناز و ادا کا اسیر بن کر تم سے محبّت کی بھیک مانگتا ہے۔ لیکن اس اندھے اور
بدبخت انسان کو کیا معلوم کہ جس روپ میں اس کو محبّت کی حلوہ پاشیاں
نظر آتی ہیں اس میں زہریلی تلخیاں بھی شامل ہیں۔ ایک نہ ایک دن اسے

انجام کو بھگتنا پڑتا ہے ۔ کیونکہ مجازی محبت کی حلاوتیں دیر پا نہیں ہوتیں
شاید تمہیں اس حسن پرست انسان کی کہانی یاد نہیں جسے ایک شباب کی
امنگوں میں بدمست عورت نے نصف شب کو اپنے تپتے ہوئے پہلو سے
نکال پھینکا تھا ۔ آہ! ان باتوں کو کوئی نہیں سمجھ سکتا ۔ اس بھول میں پڑ کر
تو ہزاروں روحیں آسمانی فضا میں پرواز کر گئیں ۔ اور کتنی زندگیاں کانٹوں
میں الجھ کر رہ گئیں ۔ مرد ایسی زندگی سے پریشان ہو کر تمام بھول کا شکار
اپنے آپ کو بنا تا ہے ۔ اور پھر اس کے بعد اس کے دماغ میں خودکشی کرنے
کا خیال پرورش پاتا ہے ۔

بتاؤ خدارا بتاؤ ایسا کیوں ہوتا ہے ؟ کیوں اپنی زندگی کو برباد اور
دوسروں کی زندگی کے تار و پو بکھیرتی ہو ۔ دنیا میں ہزاروں ایسی مثالیں
ہیں کہ جس شخص نے عورت کو اپنے کعبہ دل کی ملکہ بنانا چاہا اسی عورت نے
مرد کے کلیجہ میں چھری بھونک دی ۔ اس انجام کار کو پہنچ کر بھی وہ اس کے
پاؤں کی مہندی بن کر تعاقب کرتا ہے ۔ لیکن یاد رکھو تم نے جس محبت کی
تذلیل کرنا اپنا پیشہ بنا لیا ہے آخری دم تک ویسی محبت حاصل نہیں کر سکتیں
تمہیں اپنے حسن سے مملو شبیہہ پر ناز ہے ۔ تم سمجھتی ہو کہ مرد تمہاری محبت کا
ایک ذرہ ہی پا کر دیوانہ کی مانند ناچنے لگتا ہے ۔ ممکن ہے تم میری اس بات کو
غلطی پر محمول کر رہی ہو ۔ مگر میں اپنے تجربات کی بنا پر ایسا کہنے کیلئے مجبور ہوں

اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم یہ کہو کہ "عورت محبت حاصل کرنے کے لئے
کنگال بنائی گئی ہے۔ اسے محبّت مل گئی تو وہ اسے اپنے دل کی گہرائیوں
میں جگہ دیگی"

مجھے یہ سن کر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ کیونکہ مدت سے بچپن کی طرح
تمھیں اپنے شہ رگ کے قریب رکھا۔ محبّت کی رنگینیوں سے فضا کو مدغم
کر دیا۔ لیکن افسوس میں تمھیں نہ اپنا سکا۔ لیکن پھر کیوں تمھاری محبّت میرے
دل کو ہر وقت کریدتی رہتی ہے۔ کیوں فطرت کے ذرّہ ذرّہ میں تمھاری
نورانی صباحت کا انعکاس دعوتِ دید دیتا رہتا ہے۔ آخر ایسا کیوں میری
رانی!

آج میں پریسیڈنسی جیل کی تیرہ و تار کوٹھری میں تمھیں یاد کر رہا ہوں
کل میرے مقدمہ کی پیشی ہونے والی ہے۔ جیل کا ایک افسر میرے بچپن
کا دوست ہے۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ اسکول کی زندگی بسر کی ہے۔
اسی کا کرم ہے کہ مجھے اتنا طول طویل خط لکھنے کا موقع ملا۔ ورنہ میں اپنی
حالت سے شاید ہی کسی کو آگاہ کرسکتا۔

تم خیال کروگی کہ جیل کی سنگین کوٹھری میں رہکر اتنی اُداسی کیوں؟
کاش تم جان سکتیں کہ میری یہ اُداسی کس لئے ہے۔ صرف اس لئے کہ اب تم
سے آنکھیں چار نہیں ہونگی۔ مجھے دق ہوگئی ہے۔ دق! جو انسان کی

زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے واحد علاج ہے۔ ڈاکٹر مجھے سخت محنت کرنے سے منع کرتا ہے۔ دوست و احباب مکمل آرام کرنے کی منّت سماجت کرتے ہیں۔ کاش میں ایسا کرسکتا۔

میں نے آج تک کسی سے اپنے دل کی مفصل کیفیت بیان نہیں کی لیکن نہ جانے کیوں میں نے اس خط میں دل کے مدفون شعلے پھیلا دئیے ہیں۔ میں اسے تمھاری محبّت کا اعجاز کہوں یا کیا۔ میں ملتجی ہوں کہ اگر مجھ سے کوئی قصور ہوگیا ہے تو اُسے درگذر کرنے کی کوشش کرو۔

دق نے میرے پھیپھڑے کو گلا دیا ہے۔ اور اس جیل کی مشقتیں مزید گھُن لگا رہی ہیں۔ ہر وقت دل کی حرکت بند ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ابھی ابھی میرے منہ سے خون کا ایک لوتھڑا گرا ہے۔ لال — لال! موت کا خون!

ممکن ہے تمہیں یہ سن کر دکھ ہو کہ میں اپنی اس زندگی سے بہت اکتا گیا ہوں!

رانی! مجھے مطلق یقین نہیں تھا کہ میری زندگی کا چراغ اتنی جلدی گُل ہو جائیگا۔ لیکن اب کیا ہوسکتا ہے۔

بہرکیف! اب میں تم سے وداع ہو رہا ہوں، ہمیشہ کے لئے۔ تمھیں تو خوش ہونا چاہیئے کہ تمھاری نگاہوں کا کانٹا اس دُنیا کی پشت سے

سوکھ چکا ہے۔ اس وقت میرے اردگرد تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی ہے خوفناک اندھیرا ہے۔ اُف! میرے معبود . . . . !

تمہارا

"شہاب ثاقب"

آپ بیتیاں

آپ بیتیاں

گلستاں!

گلستان! طویل عرصہ کے بعد تمھاری آغوش میں آیا ہوں۔ اے میری مادرِ وطن! تمھاری چھاتی کتنی سرد ہے، کتنی گداز ہے! آج میں بالکل تنہا صحن میں کھڑا ہوکر عہدِ رفتہ کی جگر پاش باتیں یاد کر رہا ہوں۔ وہ باتیں جب تم میرے گالوں پر میٹھے بوسے ثبت کر رہی تھیں۔ اور زندگی کی دھوپ چھاؤں کی کہانیاں سناتی تھیں۔ آج میرے دل کے اندر دبی بیتی باتیں طوفان بن کر اُمنڈ رہی ہیں۔ اور میرے احساسات

کا چراغ بجھا جاتی ہیں !

وہ ماں آج کہاں ! کہاں ہے میری قندیل احساس !

ماں کی اندھی محبّت نے مجھے خدمتِ وطن سے روک دیا تھا۔ لیکن آج اسی ماں کو کھو کر میرے ذہن و فکر میں، اور اک وشعور میں وطن کی محبّت جاگ اٹھی ہے۔ ماں ہی نے میرے دل کے اندر محبّت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اسی نے محبت کرنا سکھایا ہے۔ میں ماں کی تحقیر و تذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ وہی شاہراہ حیات کی عظیم ترین رہنما ہے۔ محبّت کی دیوی پیار کی اوّلین شعاع ہے۔ اسی نے میرے پردۂ دل میں نقشِ محبت بٹھایا ہے۔ اسی نے میری آنکھوں میں پیار کی شعاعیں نچھاور کی ہیں۔ اسی نے مجھے رہ نوردی کا شوق دلایا ہے۔ اور میں آج تک اسی طرح بیشن روی کرتا چلا جا رہا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں میں دیوانہ ہوں، پاگل ہوں، مجنوں ہوں — کاش ! میں انھیں سمجھا سکتا !

آہ ماں ! تم تو چمن زار بہشت میں اقامت گزیں ہوگئیں۔ لیکن میرے پردۂ دل میں یہ کیسی آتش فشانیاں سونپ گئیں۔ میں نے ہمیشہ کہا تھا کہ گناہ کا یہ بوجھل بار کبھی سنبھال نہیں سکوں گا۔ لیکن آہ ! تم نے سُنی ان سُنی کر دی۔ ہنسی میں اُڑا دیا۔ جیسے میرے دل کی تمام باتیں تمھیں معلوم نہیں۔ تم جو بدّورا کو میری کمزور پشت سے باندھ کر چلی گئیں اسکا

آج ان باتوں کو، اُس عہدِ پارینہ کی سُہانی داستان کو اچھی طرح یاد کر رہا ہوں بدّورا! کیونکہ زندگی کی یہ طویل گھڑیاں جو میں نے تمھاری مفارقت میں گذاری ہیں بار بار میرے ویران دل کو کُرید جاتی ہیں۔ فرقت کا ستایا ہوا جب "پیا پیا" کی رٹ لگا کر ماہیِٔ بے آب کی طرح تڑپ کر جان دیدیتا ہے اس وقت خوشی کتنی زہریلی اور تلخ ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو تو وہی درماندۂ دہر و فرقت زدہ سمجھ سکتا ہے۔

اُس دن کی بات ہے۔ اسی دن صد چاک دل کے اندر دُکھ کی راگنی بج اٹھی تھی۔ اور مجھے یاد آ رہا ہے وہ دن جب پھاگن کا آتش آلود پانی آسمان سے گر کر پھل پھول کی زندگی ترو تازہ کر رہا تھا۔ اور دو دل جوانی کی اُمنگوں میں سرشار نشاطِ عشق کے جھولے میں جھول رہے تھے۔ انگور کے شیریں اور خوبصورت خوشے پرستان کی حسین دوشیزہ کی طرح دعوتِ دید دے رہے تھے۔ ناشپاتی حسینہ کے حجاب آلود سُرخ رخساروں کی مانند فروزاں تھی۔ اور بیدانہ کا شیریں رس اس طرح ٹپک رہا تھا جیسے محبوبہ کے تبسم آمیز سُرخ ہونٹ تھر تھرا رہے ہوں۔ جشنِ نوروز میں بلبل پسند کے پھول کھا رہی تھی۔ درخت کی نازک شاخوں میں کوئل زندگی کا سنہرا راگ الاپ رہا تھا۔ اور اس کی موسیقی کی جھنکار دلوں کی ترنگوں میں اضافہ کر رہی تھی۔ جنوبی نرم و سرد ہوائیں اپنے دامن میں

خوشبو سمیٹ کر میری آغوش میں پھیلتی ہی چلی جا رہی تھیں ـــــ اور میں بلبلِ شیراز کے دیوان کے قریب آ کر تمھاری سیاہ لہراتی ہوئی لٹوں سے کھیل رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ صرف ہم دو کی آنکھوں سے آنسوؤں کے مقدس قطرے سطحِ خاک پر موتی کی طرح بکھرتے جا رہے تھے۔

وصل کی یہ اوّلین گھڑی ـــ جہاں خوشبوؤں کی ترنگیں اور عشرتوں کی راگنیاں بج رہی تھیں ہماری کتابِ زندگی کا پہلا ورق الٹ اُلٹ کر چلی گئی تھی ـــ اس وقت تمام چیزیں منتشر ہو گئی تھیں۔ جس طرح کسی برہمن کی کتاب کے اوراق تیز و تند ہوا کے جھونکے منتشر کرتے چلے جاتے ہیں ـ

کیا ان بکھرے ہوئے صفحوں کو بدّورا کے بغیر میں ترتیب دے سکوں گا۔

آخرکار اپنے تخیل کے اس چمن کے اندر تم کو ڈھونڈھ ہی نکالا۔ کیونکہ تم صرف میری ہو ـــ بدّورا کیا تمھارے دل میں مفارقت کا وہ نقشہ منقوش ہے ـــــ میں آج شیراز کے بلبل کا وہی نغمہ دوہرا رہا ہوں ـ سنو!

میں نے اس دن چمنستان میں موسمِ بہار کی صبح دیکھی تھی۔

پدما کے پھول پر شبنم کے گوہرِ آبدار کروٹ بدل رہے تھے

بھونرا دل ہی دل میں سیاہ آنکھوں سے اشک ریزی کر رہا تھا۔

یکایک میں نے نسیم شگفتہ کسم کو دیکھا اور کہنے لگا۔

"بھونری! تم کس درد و کرب میں مبتلا ہو کر اشک فشاں ہو؟

کیا تمھاری سیاہ آغوش میں تمھاری محبوبہ نہیں ہے ؟ "
یہ سن کر بھونرے نے ٹوٹے ہوئے الفاظ میں کہا
" ہائے شاعر! یہی تو رونے کا وقت ہے !
کیونکہ اتنے دنوں بعد آج میری تمنا بارآور ہوئی ہے ۔
اور وصل کی خوشی میں تمام دکھ کو آنسوؤں کی راہ بہا رہا ہوں "
اسی وقت تمھارے ماموں آئے اور تمھیں میری قربت سے بہت دور گھسیٹ کر لے گئے ۔ انھیں میری ایک بات پر بھی یقین نہ آیا ۔ صرف نفرت کی ہنسی ہنس کر انھوں نے مجھ سے اتنا کہا کہ میری طرح خانہ بدوش کے ساتھ بدورا کی دوستی نہیں ہو سکتی ۔
میرے آنسوؤں کو دیکھ کر انھوں نے پھر کہا " ایران کے پاگل شاعر کا دیوان پڑھ پڑھ کر تم پاگل ہو گئے ہو " اور پھر میری طرف تمہاری التفات کا اندازہ لگاتے ہوئے بولے " تم نے اس پر سحر کر دیا ہے "
اس کے بعد طویل گھڑیاں اسی بیکل اور بے چین جھرنے کے قریب آوارہ گردی کرتے گذر گئیں ۔ اور جب میری پلکیں وَا ہوئیں میں نے دیکھا بہار کی جانفزا رنگینیاں اب تک فضا میں لہرا رہی ہیں ۔ لیکن تم نہ تھیں ۔ صرف تمہارے پاؤں کی مہندی کا نشان میرے سینے میں داغ بن کر مرتسم تھا ۔ اور رنگین چوڑیوں کے ٹکڑے ریت کے ذرّوں میں چمک رہے تھے ۔

میں کبھی کبھی پریشان ہوکر تمھیں اس پار پکارتا ۔۔ بدورا ۔ اور میری آواز پہاڑ کا سینہ چیر کر فضائے بسیط میں ٹکراتی "را ۔۔ آ ۔۔ آ ۔۔ !"

بلوچستان اور افغانستان کے سارے پہاڑوں اور جنگلوں بن میں نے تمھیں تلاش کیا ۔۔ لیکن جھرنے کے قریب تمھاری کُٹیا نہ پا سکا ۔

ایک دن صبح کو میں نے دیکھا کہ ایک پاگل قسم کا انسان آسمان کی طرف دیکھ کر جست لگا رہا ہے ۔ مجھے بہت ہنسی آئی ۔ آخر کار میں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا "کیا اس طرح جست لگا کر آسمان میں چھید کرنا چاہتے ہو؟"

مگر وہ طیش میں آکر چند اوٹ پٹانگ اشعار بکنے لگا ۔

اور میں نے ذرا سنجیدہ ہوکر کہا "تو تم شاعر بھی ہو"

اس نے گردن مٹکاتے ہوئے جواب دیا "ہاں کیوں نہیں !"

"مگر تمھارے یہ اشعار درست تو نہیں ہوئے !"

"کوئی حرج نہیں" پھر اس نے میرے گال کا بوسہ لیتے ہوئے کہا ۔ "ہوا کے نیلے رنگ کو آسمان سمجھ کر پکڑنے گیا ۔ مگر وہ دور ہٹ کر کہنے لگا "سنو میں آسمان نہیں ہوں ۔ ہوا ہوں ۔ میری ہستی ایک خلا ہے ۔ مجھے پکڑ نہیں سکتے ۔ میں نے تم کو پالیا ہے ۔ اور تم نہ پاکر پکڑنے آئے ہو ۔ یہی تو تمھاری بہت بڑی بھول ہے"

ایک ہی لمحہ میں میری ہنسی دُکھ سے بدل گئی۔ اور میں سوچنے لگا۔
ہاں ٹھیک تو ہے جس کو میں نے دل کے اندر پالیا ہے اسے باہر پانے کی کوشش کیوں ــ؟ اور اسی دن میں نے اپنے مکان میں آخری آنسو بہا کر کہا "بدورا! تم میرے ٹوٹے ہوئے دل کے اندر بسی ہوئی ہو جہاں خون کے قطرے رواں دواں ہیں!"

اور آج میں طول طویل سفر کے بعد ہندوستان کے گلی کوچوں میں اس لئے گھوم رہا ہوں تا کہ تمھاری یاد میں جی بھر کر تڑپتا رہوں۔ لیکن کیا اس طرح آوارہ گردی کرتے کرتے زندگی کے پہاڑ جیسے دن کٹ جائیں گے؟
دیکھو بدورا ہندوستان کے خس وخاشاک میں گلستاں کی خاک سما گئی ہے وہی بار بار مجھے یاد دلاجاتی ہے کہ میری جستجو میں تمھاری سحر آفریں آنکھیں قطراتِ اشک سے بھیگی رہتی ہیں۔ ایک دن اس نے یہ بھی بتایا کہ تم چمن میں آخری بار کھل کر سوکھ گئی ہو۔

لیکن دیکھو وہ کون ہے جو مجھے بیقرار کرنے کے لئے خرمہ کے درخت کی آڑ میں چھُپ گئی ہے۔ بتاؤ وہاں کس کے آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ رہا ہے ــ کیا تم ہو؟ میری روح! میری قندیلِ حیات کی روشنی ــ!

کہو تم کہاں ہو بدورا ــ؟ کہاں چلی گئیں آخر؟

بدورا کی کہانی

بوستاں!

آسمان کی چھاتی میں دُکھ کی کیسی جھیل بہہ رہی ہے! شاید
اسی بارش کا اثر ہے جو ابھی ابھی سطحِ خاک میں زندگی ڈال چکی ہے۔
مگر نہیں آسمان روئے گا کیوں؟ اس کا سینہ دُکھ سے کیوں پھٹے گا۔
اس کے آنسو میرے ناپاک آنسوؤں کی طرح تو گندے نہیں ہو سکتے۔ وہ
کتنا سرد ہے۔ کتنا نرم ہے۔

لیکن کیا میں عالمِ خواب میں گم ہوں ــــ؟

اُف! یہ کس کی کرب انگیز آواز ہے جو ہوا کا جگر چیر کر بال کشا ہے
یہی آواز تو میری تمناؤں کے خرمن میں حشر خیز ہے۔

وہ پھر واپس آجائیں گے۔ یہ تو قرینِ قیاس ہے۔ مگر اتنے دنوں
بعد کیوں؟ ــــ اتنی تبدیلی کیوں ــــ؟ سامنے کسم کی احمریں نازک کلیاں
خون آلود نظر آرہی ہیں۔ اور ہوا میں دُکھ کی آواز مُرتعش ہو کر بہی جا رہی ہے
ــــ وہ آئیں گے! میں اپنی ویران کُٹیا کیسے آراستہ کروں ــــ اگر آنا تھا
تو دو دن قبل کیوں نہیں آئے ــــ اسی دن ــــ جب میں نے تمھیں
آغوشِ چمن میں دیکھا تھا۔ کاش اسی روز میں تمھارے گلے میں بانہیں

ڈال کر کہتی :

" نہ جاؤ جانِ حیات !"

لیکن ہم عورت ہیں ۔ گریہ وزاری اور نالہ وشیون کے سوا اور کیا کرسکتی ہیں ۔ لیکن مرد ـــــ اس کا سینہ تو سنگریزوں سے دبا ہوا ہے ۔ جب وہ کسی عورت کو نوحہ و ماتم کناں دیکھتا ہے تو کہتا ہے " یہ بھی کوئی ہے کمزور ، بزدل "

کئی سال قبل جب میں نے تمھیں دیکھا تھا ـــــ کس طرح آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں ۔ اور تم " بد دما " کہہ کر کھجور کے درخت کے پیچھے چھپ گئے تھے ۔ یہ ساری باتیں آج میرے تخیّل کو پریشان کر رہی ہیں ـــــ چند ثانیہ کی دلدوز ملاقات اور پھر مفارقت کی المناک گھڑی ۔ لیکن آہ ! آج تک پھر میرے پاس تم نہیں آئے ۔ نہ جانے کیوں ؟

میرے دل ودماغ میں یہ کیسا تصادم برپا ہے ۔ کیا میری یہ زندگی ہمیشہ کیچڑ میں لت پت رہے گی ۔ سچ ہے چاند کا کلنک پورنماشی کی روشنی کے دن تھہر نہیں سکتا ۔ مگر اُف ! گناہ کا یہ احساس کتنا تلخ اور تکلیف دہ ہے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہزارہا سوئیاں میری چھاتی میں چبھ رہی ہیں ـــــ !

اور یہ پاجی اور ذلیل " خواجہ " سیف الملک کی باتیں ـــــ اسکی

یاد کیوں نہیں ختم ہو جاتی۔ اگر وہ ابھی میرے سامنے آجائے تو میں اُسے اپنے پنجہ سے نوچ ڈالوں۔ اس کی بوٹی بوٹی چبا ڈالوں!

میں عورت ہوں — اور میری اس گناہ آلود زندگی کا انجام کیا ہوگا! اسی کو سوچ سوچ کر رنج و غم کی بھیانک تصویریں میرا گلا دبانے کے لئے پیش قدمی کرتی چلی آتی ہیں — لیکن مرد کبھی اپنے گناہوں سے پشیمان نہیں ہوتا۔ اور نہ اپنا مستقبل دیکھ کر آلام و مصائب کے دہکتے ہوئے انگارے میں گرنا چاہتا ہے۔

اُس دن جب میری خواہش پوری ہو چکی تھی — نہ جانے یکایک کس طرح سیف الملک کو نظروں کے قریب دیکھا۔ اس کے چہرے میں جیسے لاج اور شرم کی سیاہی بھر دی گئی تھی۔ اور وہ دونوں ہاتھوں کو آسمان کی جانب اٹھا کر یہ کہہ رہا تھا "اے رب العالمین! میری ناپاک زندگی کو ختم کر کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے۔ یا نہیں تو میرے تاریک دل کے اندر اپنی حقیقی روشنی کی عکاسی کر دے"

پھر اس نے مجھے ترحم آمیز نگاہوں سے بغور دیکھنے کے بعد پیروں پر گر گر گڑگڑاتے ہوئے کہا "تم اس شیطان کو معاف کر دو۔ اگر معاف کر دیا تو میری زندگی روشن ہو جائیگی — تم کیا ہو۔ کیسے کہوں۔ لیکن میں — اُف، اُف، اُف!" اس کے بعد اس نے ایک لمبی سانس لی۔

لیکن یہ کیا ؟ میرے دل کے اندر یہ بیقراریاں کیوں ؟ دماغ میں کوہ آتش کیوں پھٹ پڑا ہے۔ کیا وہ اس کھجور کے درخت کے نیچے عالم بیہوشی میں پڑے ہوئے ہیں۔ نہیں نہیں، اب میرا دل دھوکا نہیں کھا سکتا۔ لیکن کاش ایک بار پھر ملاقات ہو جائے۔ صرف ایک بار! اور میں کہوں گی ۔۔ "جانِ حیات! اب یہ بدذرا تمھاری نہیں رہی۔ وہ تو مرچکی۔ اس کا دل تمھارے دل سے ہمیشہ کیلئے پیوست ہو چکا ہے۔ سنو! اب اس کی تلاشِ لاحاصل میں اس طرح صحرانوردی ترک کردو۔ وہ نہیں ہے ۔۔ نہیں، نہیں!!"

اس کے بعد بھی ۔۔ اگر وہ مجھے تلاش کریں گے تو میں ان سے کیا کہونگی ۔۔ کیا کہوں گی؟ ہاں ٹھیک ہے میں ان سے یہی کہوں گی ۔ "مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ میرے ناپاک جسم کو چھوکر اپنے پاک جسم کی تذلیل نہ کرو!"

آہ! پیارے! کتنا دُکھ ہے۔ کون ہے جو میرے شکستہ دل کو چُھری کی تیز دھار سے پارہ پارہ کر رہا ہے!"

دارا کی کہانی

گلستاں!

تم کیا وہی گلستاں ہو ؟ لیکن تم میں آج اتنی اداسی کیوں ۔ کہاں گئی حسین اور دلآویز پھولوں کی وہ خوشبو ؟ ان سے تو جہنم کی سڑی ہوئی لاشوں کی بُو اٹھ رہی ہے ۔ تمھارے صاف وشفاف آسمان کی وہ روشنی کہاں گئی ۔ نہ جانے اس کے ذرّے ذرّے میں گندا پانی کس نے چھوڑ دیا تمھاری ہواؤں میں جیسے اَن گنت گھائل انسانوں کی آہیں جمع ہو گئیں ۔ اور تمھارے جسم میں درد کی تیز چُھری چل رہی ہے ۔

آہ بدورا ! تم نے کیا کر دیا ۔ کیوں تم نے میرے دل کی ساری آسائشیں چھین لیں ؟ کیا اس کے اندر بھی کوئی راز مضمر ہے ؟ ۔ لیکن دل اس بہلاوے میں کیوں آنے لگا ۔ نہ جانے قندیل احساس کیوں روشن ہو جاتی ہے ۔ کوئی مجھے بتاؤ کہ جب ایک پیاسا " پانی پانی " چلاتے ہوئے بادل کے قریب پہونچ جاتا ہے اور بادل تلخ ہنسی ہنس کر اس کی چھاتی چھید ڈالتا ہے تو اس کے احساس میں یہ باتیں کیوں جاگ اٹھتی ہیں ؟ ۔ کہ بادل بہت کٹھور ہے ۔ ظالم ہے ۔ بے رحم ہے ۔

مگر آج تک میں اپنا روپ سمجھ نہیں سکا ۔ پہلے سوچا کرتا تھا ۔ میں اتنا بلند ہوں ، میرے خیالات کتنے اونچے ہیں ۔ میری ہستی میں کتنی زندگیاں رقص کرتی ہیں ۔ لیکن آہ ! میں آج اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ تمام انسانوں سے محبت کرنے کے باوجود بھی میں عظیم الشان

نہیں ہوا ہوں ۔ میرا دل بھی اس کے دل کی طرح اتنا ہی مسخ ہے تو پھر میں نے بدورا کے گناہوں کو معاف کیوں نہیں کر دیا۔ کیا یہی میری سب سے بڑی خطا ہے ؟ ظاہری حُسن و خوبصورتی کی تباہی کے بعد بھی اس نے اندرونی حُسن میں عفونت اور گندگی کی کلھاڑی مار کر ظاہری حسن کو گوناگوں خوبصورتیوں سے دلآویز بنا لیا ـــــ یہی ہماری سب سے بڑی بھول ہے ۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ بدورا کے اندرونی مقدس حسن کو نہ دیکھ کر میں معاف نہیں کر سکا ۔ مجھ جیسا مجرم اور گنہ گار کیا اور کوئی بھی ہو سکتا ہے ۔

آہ ! میں کتنا ذلیل اور حقیر ہوں ۔ بہت روز قبل بدورا کی زبانی یہ لفظ سن کر میں جہنم کے تیرہ و تاریک غار میں گر گیا تھا ۔ اور میں نے یہ خیال کیا تھا کہ اس طرح شکست کا مذموم ہار پہن کر بدورا کو فتح کروں گا نہ جانے پھر کس کے زبردست ہاتھوں نے سہارا دیکر اور میرے لرزتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھ کر جہنم کے شعلہ بداماں دروازے سے گھسیٹ لیا ۔ پھر یہ صدا میرے کانوں سے ٹکرائی ـــ " یہ انتقام بدورا سے کیوں مجرم تو خود تم ہو ـــ " یہ صدا سن کر میں پھر زندگی کی خاردار آغوش میں گر گیا ۔

اس کے بعد ایک دن میں نے بدورا سے اتنا کہا " اگر دل نے

تمھیں کسی دن در گذر کرنا چاہا تو شاید ایک بار پھر ملاقات ہو ۔۔ ورنہ یہ ہماری جُدائی ہے ۔۔۔۔"، کچھ دیر سکوت کے بعد میں نے بلند آواز سے یہ بھی کہہ دیا " تمھیں پاکر تو میں نے " باطل " کو خوش آمدید کہا ہے "!

اور بدور اکھڑی ہوئی آواز میں بولی " واپس جانا ہی پڑیگا پیارے! تمھارے دل کے پر دے پر جو شبہات میرے خلاف مرتسم ہو گئے ہیں وہ کچھ دن میں دُور ہو جائیں گے ۔ شاید اسی دن معلوم ہو جائیگا کہ میری محبت کی زنجیر نے تمہارے دل کو کس مضبوطی سے جکڑ لیا ہے ۔ میں تمہاری طرف دیکھتے ہوئے گلستاں کے اس حسین جھرنے کی دھاری میں بیٹھ کر گیت گاؤں گی اور مالا گوندھوں گی تا کہ ایک نہ ایک دن تمھارے گلے میں ڈال سکوں ۔

محبت کی پرستش بیکار نہیں جاتی جانِ تمنّا!

سیف الملک کی کہانی

میں وہی شیطان ہوں ۔ وہی گنہ گار جس نے ایک مقدس عورت پر بے شمار مظالم توڑے ۔ کیوں نہ اب میں اپنی اس مکروہ زندگی کا خاتمہ کر ڈالوں ۔ اس کے بعد ؟ اس کے بعد میرا بھی وہی حشر ہو گا جو اور گنہگاروں کا ہوا کرتا ہے ۔

گنہ گار کو اگر سزا ملے تو اس کے لئے اس میں سکون ہے۔ کیونکہ یہ بے انصافی نہیں ہے۔ لیکن اگر سزا نہ دی جائے تو اندرونی خلفشار اور غیض و غضب میں اضافہ ہوتا چلا جائیگا۔

میں جو سوچتا ہوں وہ نہیں ہوتا۔ اور وہی ہو جاتا ہے جسے نہیں سوچتا۔ آوارہ گردی کرتے کرتے آخر میں آزاد سپاہی کی جماعت میں آ گیا۔ تمام سپاہی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ لیکن جب میں نے اپنی رام کہانی سنائی تو انھیں بہت دُکھ ہوا۔ اور اسی دوران میں میں نے بھی ان کی داستانیں سنیں۔ مظلوم اور دُکھی انسانوں کی داستانیں۔ سپاہیوں کی بپتائیں، جو فوج میں اس لئے شامل ہو گئے ہیں کہ انھیں پیٹ کی بھوک مٹانی ہے۔ ان کی دلدوز کہانیاں سن کر مجھے یک گونہ اطمینان ہوا۔ کیونکہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ روشنی کی یہ پہلی جھلک تھی۔

کئی روز بعد میں نے اس جماعت میں دآرا کو بھی دیکھا۔ بدنصیب دآرا۔ اور جب میں نے اس جماعت میں شمولیت کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا " اس سے عمدہ کام میرے لئے اور کیا ہو سکتا تھا بھائی!"

آلام و مصائب کی ضربیں سہتے سہتے وہ کتنا اُداس ہو گیا ہے۔

اس کا وہ شگفتہ چہرہ، اس کی وہ متین ہنسی، یہ ساری باتیں کہاں گئیں!
اب اس کی شکل کتنی زرد ہوگئی ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں۔ اور
ہنسی تو گویا بالکل معدوم ہوگئی ہے ۔ میں تو وہ بدبخت اور ناہنجار ہوں
جس نے دآرا کو اس اندوہناک منزل پر پہنچایا ہے۔ میں نے ہی تو اس
کے دل میں آگ بھڑکائی ہے۔ میری ہی وجہ سے تو اس کے ارمان
خاک آلود ہو گئے ہیں۔

سبھوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ دآرا کس قوت کے زیر اثر
جنگ میں شریک ہوا ہے۔ اور اتنی محنت و مشقت کے باوجود بھی
اس کے چہرے پر ہنسی کی سرخیاں کیوں دوڑتی ہیں۔ شاید وہ بتانا
چاہتا ہے کہ اب وہ دن دور گیا جب دآرا بھکاری کی زندگی گذار
رہا تھا۔ جب وہ دوسروں کی نگاہوں میں حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا
تھا۔ بلکہ اب دل کی بڑھتی ہوئی پیاس کو جنگ کے خون سے بجھانے
کے لئے موت کی طرح کٹھور اور بیرحم بن کر دوسروں کی زندگیاں قربان
کر رہا ہے۔ جب بھی اس کی تشنگی کھولتے ہوئے پانی کی مانند ابل
پڑتی ہے وہ انسانی خون سے اپنی پیاس دور کرتا ہے۔

میں نے دآرا کی اس تبدیلی پر گھنٹوں غور کیا ہے اور غور کرنے
کے بعد یہی نتیجہ نکالا ہے کہ اس کی یہ جنگ، اس کی یہ خونخواری ظاہری

نمود کے لئے نہیں بلکہ وہ اندرونی دُکھ کے ناقابلِ برداشت جو اسے مجبور ہو کر حیوانیت کی راہ پر گامزن ہو گیا ہے۔

آج وہ تمام سپاہیوں کا سردار ہے۔ تاہم اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں دُکھ کے آبشار کیوں پھوٹتے ہیں؟ روزانہ زخم پر زخم کھاتا ہے۔ مگر ہسپتال میں وہ کون ہے جس کے تسکین آمیز الفاظ اسے پھر جنگ کے لئے کمربستہ کر دیتے ہیں۔ خون میں غرق ہو کر انسان کو موت کی بھینٹ چڑھانا اس کے لئے کتنی مسرت کا مقام ہے ـــ وہ خود کہتا ہے ـــ "وہ انسان جو دوسروں کے لئے بارِ گراں ہے، اس کی کمی ہی تو میرے لئے خوشی کا باعث ہے"

میں یہ سن کر انگشت بدنداں ہو جاتا ہوں کہ آخر یہ پاگل نہیں تو کیا ہے۔

اُف یہ کیا ہوا؟ بدقسمت اور بدبخت دارا کی بینائی ختم ہو چکی کان بہرے ہو گئے۔ مجھے اس کا اندیشہ تھا کہ اس کی تشنگی کا پھل یہی ہو گا نہ جانے اس کی بصارت و سماعت کے چھن جانے میں کونسا راز سربستہ ہے۔ اس خطرناک کھیل میں کس کا ہاتھ کام کر رہا ہے!

مجھ پاپی اور گنہگار کو سزا کیوں نہیں دی گئی۔ مجھے کیوں نہیں

اندھا اور بہرا کر دیا گیا۔ پہلے ہی سے وہ بے سہارا ہو رہا تھا۔ اب اس میں تاب کہاں کہ مزید ٹھوکریں کھاتا پھرے۔ آج ہم لوگ اپنے اپنے وطن کو سدھار رہے ہیں۔ کیونکہ جنگ کی ہولناکیاں دم توڑ چکی ہیں۔ اور فتح کی راگنی تمام سپاہیوں کے دلوں کو برما رہی ہے۔ لیکن جب اندھا بدنصیب دارا میرے شانے کا سہارا لیکر سپاہیوں کے سامنے کھڑا ہوا یکایک تمام سپاہی ایک ساتھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اور جب سب کے آنسو تھم گئے تو سبھوں نے یکے بعد دیگرے کہنا شروع کیا — "دارا! تمھاری شجاعت تمام انعامات سے افضل و برتر ہے۔ ہم تمھیں کوئی انعام نہیں دے سکتے۔"

"تم نے بن بلائے جنگ میں شرکت کی۔ اپنا دکھ سکھ بھول گئے بندوق کی گولیاں تمھاری رگوں میں سنسنائیں، لیکن تم ایک حرف بھی زبان پر نہیں لائے۔ یہی تمھاری شجاعت کا بلند ترین کارنامہ ہے یہی بہترین تحفہ ہے۔ اس جنگ کا معاوضہ تمھیں مل گیا ہے یعنی تمھاری بصارت ختم ہو گئی۔"

اور دارا نے آہستہ آہستہ دھیمی آواز میں جواب دیا "الوداع عزیز بھائیو! الوداع!"

میں دارا کو لیکر گلستان میں چلا آیا۔ اب میں اسی کے ساتھ رہتا

ہوں ۔کیونکہ اس نے میری خطا درگذر کردی ہے ۔ میں نے ایک دن دآرا سے پوچھا :

"تم نے بدوَرا کو معاف کر دیا دوست ؟ "

میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس نے یہ غزل سنائی ،۔

"اے میری محبوبہ ! تم نے مجھے جتنا دکھ اور درد دیا ہے
میں نے ان کے مجموعہ سے مقدس محبّت کی مسجد کی بنیاد
رکھی ہے "

جس طرح اس روئے زمین پر بچّہ کی طرح اور کوئی معصوم نہیں ، بالکل اسی طرح دآرا بھی محبّت پا کر بچّہ کی طرح معصوم ہو گیا ہے ۔ اس کی شکل میں ہنسی کی کتنی مقدّس لکیریں کھنچی ہوئی ہیں ۔ کتنی شیریں اور لحن پرور آواز ہے اس کی ۔ اس کے آنسو کتنے پاک و شفاف ہیں ۔

میں نے دریافت کیا "دآرا ! کیا تم نے آنکھیں اور کان کھو کر شانتی حاصل کی ہے ؟ "

اس نے جواباً کہا " ہاں میں نے حواس خمسہ کے دو بہترین اوصاف کھو کر سکونِ جاوید پا لیا ہے ۔ اس وقت میں کیا دیکھ رہا ہوں ، جانتے ہو ؟ ہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ میری بدوَرا کی گلریز ہنسی روشنی بن کر میری رہنمائی کر رہی ہے ۔ اس کی چوڑیوں کی جھنکار اور اس کی تقدس مآب موسیقی مجھے

بتا رہی ہے کہ میری بصارت وسماعت دونوں موجود ہیں۔"

پھر اس نے گانا شروع کیا :

" اگر تم نے اور کسی سے محبّت کا آغاز کیا ہے ۔
اگر تم واپس نہیں آسکتیں ۔
تو تم للّٰہ اسی کے ساتھ رہو، میرے دُکھ کی پروا نہ کرو!
لیکن تمھارے دل کے کسی گوشہ میں اگر میری محبّت جاگزیں ہے
تو سنو!
تمھارے سوا اس دُنیا میں میرا اور کوئی نہیں ۔ کوئی نہیں۔"

وارا کی یہ دُکھ بھری راگنی فضائے بسیط میں بہت دیر تک طاری رہی ۔ آہ! اس راگ میں کتنا درد، کتنا دُکھ اور کتنی تھرتھراہٹ تھی ۔

بدورا کی کہانی

گلستاں!

شاید انھوں نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہے ۔ یہ تو معلوم ہی تھا کہ وہ مجھے ایک نہ ایک دن معاف کر دیں گے ۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ میری آج کی شام سکون کے ساتھ گذر گئی ۔ اب میں دن بھر ان کیلئے آرزوؤں کا ہار گوندھتی ہوں ۔ اور اس کے معاوضہ میں انھوں نے مجھے جو

تحفہ دیا ہے وہ ہے "تحفۂ درد!"

ایک دن انھوں نے کہا تھا "بدورا! خواہش اور محبت یہ دو مختلف اوصاف ہیں۔ خواہش عارضی جوش ہے۔ اور محبت دائمی تھپیڑا ہے جو بہتا رہتا ہے۔ اس کو دُنیا کی کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ خواہش کے آغاز اور انجام کا سیاہ داغ اگر محبت پر پردہ نہ ڈال دے تو سمجھ لو وہی حقیقی محبت ہے۔ محبت کے وہ مجروح شیدائی جو اس حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں یہ ان کی سب سے بڑی بھول ہے۔ اور ان کی طرح دنیا میں بدنصیب شاید ہی اور کوئی ہوگا۔ روزِ روشن میں سیاہ بادل سورج پر پردہ ڈالنے کی جتنی بھی کوشش کرے کامیاب نہ ہوگا۔ صرف اس کی تیز روشنی میں کمی آجائیگی۔ کیونکہ سورج سیاہ بادل سے بہت دور رہتا ہے۔ کس طرح وہ اتنے سیاہ بادلوں کا مقابلہ کرکے اپنی شعاعیں سطح گیتی پر منتشر کرتا ہے۔ بادل کا تخیل کام نہیں کرسکتا۔ اور ہم بھی سوچنے سے قاصر ہیں۔ اس کے بعد بادلوں کے چھٹ جانے سے شعاعیں اور نکھر جاتی ہیں۔ سورج جس طرح روزِ ازل سے مشرق سے مغرب تک مصروفِ جادہ پیمائی ہے اسی طرح تاقیامت رہیگا۔ ـــــ تو کیا چادرِ آسمان پر بادل کا کارواں نہیں آئیگا۔ وہ بھی ہمیشہ اپنا کام انجام دیگا۔ اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ خواہش بھی ٹھیک اسی بادل کی مانند ہے۔ اور محبت دل و دماغ میں شعاعِ خورشید کی طرح روشن ہے۔

اور ہمیشہ روشن رہے گی۔

خواہش ہی نے تو تمھارے ظاہری حُسن کو برباد کر دیا ہے۔ لیکن باطن کو تباہ نہیں کر سکی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید تم مجھے شناخت نہ کر سکتیں۔ باہر کی ہوا محبّت کے چراغ کو بجھا نہیں سکتی۔ بلکہ روشنی کی شعاعیں اور منعکس ہو جاتی ہیں۔ لیکن میری بینائی اور قوتِ سماعت! میں ان کے کھو جانے سے نہیں روتا بدورا!"

ٹھیک اسی وقت ایک بلبل کرب آمیز آواز میں سیب کے درخت سے "پیا پیا" کہہ کر پرواز کر گئی۔

انھوں نے پھر کہا "دیکھو بدورا آج ہم لوگوں کی آخری دید ہو گی اس کے بعد طلوعِ آفتاب کے ساتھ ساتھ تم جھرنے کے اس پار چلی جاؤ گی۔ اور میں اس مفارقت کی آگ میں جلتا رہوں گا ـــــ اس دو پار میں رہ کر ہم دونوں جدائی کے گیت گائیں گے۔ اور ایک دوسرے کو تڑپائیں گے۔ اور اس تڑپ کے اندر ہمیں دائمی سکون ملے گا۔"

اس دن سے میں جھرنے کے اس پار رہوں۔

جب ان کی شیریں آواز کی دلدوز راگنی اس پار کانپتے کانپتے آتی ہے تو میری آنکھوں کے آنسو جھرنا کی طرح امنڈ آتے ہیں ـــــ ان کا راگ ہے۔

"ہم دونوں دُکھ کی قندیل روشن کر کے

ایک دوسرے کو مدعو کریں گے
کیونکہ ہمارے دُکھ کی پُوجا ابھی تک ختم نہیں ہوئی ۔"

شعلے اور پھول

شعلے اور پھول

صحارا ریگستان کے نزد خیمہ ۔

افریقہ !

پردۂ خواب چاک ہوا۔ لیکن خواب کی تاریکی اب تک باقی ہے
میری رات صبح میں بدل گئی ۔ ہر طرف آفتاب کی سیمیں شعاعیں صفحۂ گیتی
پر منتشر ہو گئیں ـــــ ساتھ ہی میری چھاتی تخیل خواب سے باہر نکل آئی ۔
لیکن اس کا دائمی تصور جو میرے ذہن کے پردہ پر سربستہ ہے ،
کیا اس کی کوئی منـــزل نہیں ؟ کیا یہ غیر فانی ہے ـــ نہیں ، نہیں ، لیکن

کی تپتی ہوئی چھاتی سے جو جھرنا پھوٹ رہا ہے۔ ٹھیک اس سرابِ صحرا کی مانند عکسِ رخِ یار کی شگفتہ یادہی نے تو میرے خالی دل میں ایک صاف و شفاف چشمہ بہا رکھا ہے۔ آہ! میں نے اپنی کمزور چھاتی کے اندر تمھارا تصور کس طرح محفوظ رکھا ہے تمھیں کیا معلوم۔ مگر اے چشمۂ تخیل تم بہے جاؤ اسی طرح تا ابد اپنی روانی جاری رکھو۔

آفتابِ صبح کی اوّلین شعاع تمام انسانوں کے دلوں میں خوشی و مسرت کی راگنیاں الاپتی ہے۔ نیلگوں آسمان رُخِ روشن سے نقاب ہٹا کر کسی نقشِ پا کی تلاش میں دھیرے دھیرے چلا جاتا ہے۔ اور مہ و انجم اپنے راگوں کی مالا رکھ کر بادلوں کی آڑ میں سپنوں کا محل تیار کرنے لگتے ہیں۔ مگر آہ! میری صبح نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب میرے پاس قوتِ برداشت نہیں کہ خورشید کی افشانیاں سہہ سکوں۔ دیکھو میری آنکھیں ہنگامۂ اضطراب سے چھلک پڑنے کو ہیں۔ یہ میری کونسی صبح ہے جہاں صرف شبِ سیاہ کی بدبختی اور غمناک سانسیں بکھری ہوئی ہیں۔

خوف کی آنکھیں وا ہوگئیں، جنگل اور بیابان میں معارنت کی آگ لگ گئی۔ میں صدائے بازگشت کرتی ہوئی مُردہ موسیقی کو دفن کر آیا۔ سبز درختوں کی شاخوں میں پھولوں کی کلیاں پھوٹنے لگیں

بلبل کی میٹھی راگنیوں کے ساتھ معطر ہوائیں لہرا کر آگئیں یشیاما کا گیت نغمہ انگیز کشش کے ساتھ ہوا کا دادرا لیکر رقص کرتے کرتے آیا۔
کوئل اور پپیہے سبھوں نے مل کر راگنی کی ابتدا کی ـــ

"سن میری جانِ حیات ! اے جانِ حیات !!
کونسا تحفہ کروں میں پیش تیرے واسطے !"

ایک ناآشنا آواز بھیرویں سُروں میں میرے روبرو لہرانے لگی ۔" جاگو مشرقی باشندے "! اور پھر میری خفتہ آنکھوں کو بیدار کرنے کے لئے یہ نغمہ فضا میں بازگشت ہونے لگا ـــ !

"تم حسین ہو میری دُنیا کے لئے وجہ نشاط "!

مگر میں اسی طرح اُداس پڑا رہا ۔ گوناگوں بحرِ تخیلات کی موجیں ابر میرے سر سے ٹکرا رہی تھیں ۔ اور آنکھوں سے گوہرِ آبدار رخساروں میں سیماب کی مانند تھرتھرا رہے تھے ۔ آسمان کے جو قطرے شبنم بن کر گھاس میں مل گئے ہیں کیا صبح کو ان کی خبر مل سکتی ہے ۔ اسے کیا معلوم کہ ملکۂ شب کس درد و غم سے مجبور ہو کر اشک ریزیاں کرنے پر مجبور ہوتی ہے ۔ اور کیوں پھر اپنے غمناک کلیجہ میں پتھر رکھ کر ماتم کا نقاب الٹ دیتی ہے ۔
زنجیرِ شب پاش پاش ہونے کے بعد یہ آواز فضائے بسیط میں پھیل گئی " بھور ہوا رے " اور ہواؤں کے دامن میں مل کر پوری

کائنات میں پھیل گئی "اٹھو، کام کرو!" مگر آہ! میرے خواب کی زنجیر ٹوٹتی ہوئی نظر نہ آئی۔ بدستور آنسوؤں کے قطرے رواں دواں تھے۔

گھر کے تمام دروازے کھل گئے۔ لیکن یہ مقفل دروازہ کس طرح کھلے گا؟ اور اچھا ہے نہ کھلے۔ کیونکہ میرے کلیجہ میں ایسے تیر و نشتر چبھے ہیں جنھیں صرف بدنصیب ہی کی چھاتی برداشت کر سکتی ہے۔ دوستو اس ناکام تمنا کو اس طرح اندھیری کٹیا میں مقفل رہنے دو۔ نہ جگاؤ اسے اگر راہ میں چلتے چلتے کبھی تمھیں دُکھ اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑے تو کم از کم میرے لئے ایک آہ بھر لینا۔

آج میں سبھوں سے چھپا کر یہ کہانی قلم بند کر رہا ہوں۔ نہیں معلوم کیوں؟ لیکن ہاں اتنا سمجھتا ہوں کہ میری اس المناک کہانی کے اندر محبت کی بجائے نفرت ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے الفاظ میں برف آلود پہاڑ کی طرح جو پردہ ڈال رہا ہوں جانتے ہو یہ کیا ہے۔ یہ غم ہے خوشی نہیں۔

میں آج تمام لوگوں کی نگاہوں میں عجیب بنا ہوا ہوں۔ یہ بھی کیسا معمہ ہے۔ میری خواہش ہے کہ تا زیست اسی طرح انسانوں کی شیطنت پرور نظروں سے دور، بہت دور چھپ کر رہوں۔ میں اپنے

آلام ومصائب کو پتھر کی چٹانوں سے مسل کر اور اس کے چاروں طرف دھندلی کہر کا جال بُن کر چھپا دوں گا۔ دل کی گوناگوں ستم رانیاں نغمہ ہائے فردوس کی لہروں میں بہہ جائیں گی۔ یہ دیکھ کر ابلہ فریب انسان مسکرائیں گے۔ اور ترش رو ہو کر کہیں گے "چھی، سپاہی کی زندگی بھی کتنی کمزور ہوتی ہے"

ابھی سے میرے دل ودماغ شرم وحجاب کے افکار سے پھٹے جا رہے ہیں۔ اگر میں اس چھوٹی کٹیا کے اندر رہ کر کہر آلود چھاؤں میں چھپا رہوں تو شاید ازلی دُکھ سے نجات پا جاؤں گا۔ لوگ میری اس تنہائی کی خبر پا کر اور مجھے بھول کر مزید ہدفِ لعنت نہ بنائیں گے۔

راکھ بن جائیں میرے یہ خیالات! مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنی زندگی کو تنہائی کی گھناونی تاریکی میں سمیٹ لوں۔ میں یہ سب کس لئے تحریر کر رہا ہوں؟ انسان اپنے دکھ کی تسکین چاہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی پُرآلام زندگی بہت کٹھن ہو جائے۔ کرمفرما دوست کے سامنے زندگی کی غم آلود اور روح فرسا کہانی سنا کر۔ کچھ اس کی زبان سے تسکین آمیز الفاظ سن کر ہی تو دل کا بار ہلکا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کیا کوشش کرنے کے بعد بھی دُکھ کا دہکتا ہوا آتش فشاں اور لپکتی ہوئی چنگاریاں سرد ہو سکتی ہیں۔ کیا پہاڑ کی بھاری بھرکم چٹانوں سے دُکھ

کے انگارے دبائے جاسکتے ہیں ؟ کیا کبھی ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان تادمِ واپسین دکھ کی گھنگھور گھٹاؤں میں زندہ رہ سکا ــــ کبھی نہیں۔ اگر ہم اپنے دُکھ کو ان چٹانوں سے چھپا دیں تو کیا پہاڑ کی چھاتی کے پتھر جو ایک دوسرے سے ٹکرا کر چنگاریاں برساتے ہیں ہم روک سکیں گے۔

لیکن یہ احساس ہوتا ہے کہ شراب کا دھواں آگ کی چھاتی میں گر جانے سے قبل کس طرح ساکن ہو جاتا ہے۔ کس طرح بارش کی پھوار کے بعد فطرت اطمینان کی سانس لیتی ہے۔ ریگ کے ذرّات سراب بن کر کس طرح تشنہ لب انسانوں کو مبتلائے فریب کرتے ہیں لیکن وہ اسی طرح اٹل اور ساکن رہتا ہے۔ اگر تم سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو پہاڑ بن جاؤ، پہاڑ کی چٹان بن جاؤ۔ وہیں شانتی ہے، وہیں سکون کی راگنیاں لہراتی ہیں۔ آہ! وہی ہم انسانوں سے بہتر ہے۔

میں ظاہری طور پر سنگدل اور کٹھور ہوں ــــ لیکن باطن میں ریگ کے شعلہ پرور ذرّے کی طرح میرے سینہ میں آگ کی بارش ہوتی ہے۔ کیا اس آگ کی تپش سے آنکھوں کی راہ بخار بن کر قطرہائے اشک چھلک نہیں آتے۔ نہیں دوست! انکار اور مذاق کا خوف میرے لئے بہت ہیبت ناک ہے۔ مجھے اس سے بہت ڈر

لگتا ہے ۔ اسی لئے میں اپنے باطن کے درد اور دُکھ کو شرم و حجاب کی
لڑیوں میں پرونا نہیں چاہتا ۔ اگر ہوا تو وہ مقدّس تخیل کی تذلیل ہی
کرے گا ۔ مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا ۔ یکایک میری اس مایوس زندگی کی
تمناؤں کی موجیں ٹکرانے لگیں ۔ سکون اور خواب میری نگاہوں میں
ڈورے ڈالنے لگا ۔ اسی سکون کو حاصل کرنے کے لئے میں یہ تحریر کر
رہا ہوں ۔ اسی عالمِ جناں میں کھو کر سفید کاغذات کو دل کے سارے
آلام و تفکرات سے سیاہ کرنے پر تُلا ہوا ہوں ۔ میں ان اوراق میں
صرف دو زندگیوں کی تصویریں پیش کروں گا ۔ ایک دُکھ کی ازلی کہانیاں
اور دوسری اشکبار نغمے کی لڑیاں ۔ اور شاید میرا یہ عمل تادمِ واپسیں
جاری رہے گا ۔

میرا یہ فخر آج دُنیوی مصوّر پر نہیں بلکہ اے میرے مالک میری
ساری بلندیاں صرف تجھ پر ہیں ۔ تو نے ہی میرے دونوں ہاتھوں کو
خالی اور تنگ کر دیا ہے ۔ تو نے ہی میرے سارے سہارے کو میرے
گھر بار کو ہوا کے شدید جھونکوں میں اڑا دیا ۔ میری تمنائیں راکھ کا ڈھیر
بن گئیں ۔ میری محبّت کو نفرت سے بدل دیا گیا ۔ لیکن اب ایسا نہیں
ہو سکتا ۔ میں اپنے عزم میں اتنا ہی اٹل ہو گیا ہوں جیسے پہاڑ کی بلند و
بالا چوٹیاں !

میں نے خوفناک اور عظیم الشان سمندر کے چھوٹے حباب کی طرح اپنا سر اٹھایا ہے۔ نہیں معلوم کب اور کس طرح ایک پلک کے اندر میری کمزور چھاتی کی تمام امیدیں اور آلام و مصائب کا کرۂ آتش فشاں اس حباب کی مانند کہاں ختم ہو جائے۔ اُف! کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اور کوئی نہیں روک سکتا۔ موت کا ادنیٰ تخیل ہی میرے لئے دائمی سکون ہے!

جب میدانِ جنگ میں انسانوں کی زندگیاں آگ اور گولوں بموں اور مشین گنوں کا شکار ہو رہی ہونگی۔ جب لال لال خون کی دھاریں تشنہ زمین کی پیاس بجھائیں گی اس وقت مجھے ظاہر میں ظالم اور سنگدل بننا پڑے گا۔ ہیبت ناک دیو کی مانند نڈر بن کر اپنی تشنہ لبی کو اس خون کی چھینٹوں سے بجھانی ہوگی۔ میں سیاہ انسان ہوں۔ ان سفید فام انسانوں کا حکم ماننا میرے لئے کس قدر مشکل بات ہے۔ اسی لئے تو میں سپاہیوں کی نظروں میں عزت سے دیکھا جاتا ہوں۔ میری پلکوں میں کبھی قطرہائے اشک امنڈ کر بزدلی کا نشان نہیں دکھلاتے۔

جب شعلہ پرور آنکھوں میں خوشی کے چشمے پھوٹتے ہیں یکایک بجلی کی شعلہ فشانیاں میرے دُکھی دل کے اندر خنجر پیوست کر دیتی ہیں۔

لیکن میں اپنے سرمدی نغموں کی روانی میں مدغم ہو کر نوکِ شمشیر کی ضربیں فراموش کر دیتا ہوں ۔ میرے ظاہر و باطن میں ایسا سیاہ پردہ آویزاں ہے کہ میری محبوبۂ حقیقت کو کوئی بہزار کوشش بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ایک ایسی گہری تاریکی اور کہر چھایا ہوا ہے کہ انسان کی دوربین نگاہیں وہاں تک پہنچنے میں ناکام رہ جاتی ہیں۔

خداوندا! میری اس مسرت و شادمانی میں جو ہمیشہ سے ایک پردہ حائل ہے کیا وہ کبھی ہٹ نہیں سکتا بلکہ کیوں میری اس دعا کا جواب ملتا ہے "ہاں ہاں اسی طرح رہنے دو!" مگر آہ جس کی زندگی میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، جس کی آنکھیں کنگال ہیں — جس کی موت پر اشک ریزی کرنے والا کوئی نہیں — جسے خدا کی رحمت کی حاجت نہیں ۔ وہ صرف آنسو کے ایک قطرہ کا خواستگار ہے ۔ ایسا قطرہ جس کے اندر لازوال محبّت روپوش ہو۔ لیکن اس سب کے باوجود بھی میرے تخیلات کے اندر صرف تیرہ و تاریک یا خورشید صبح کی شفاف شعاعیں کیوں بکل کرتی رہتی ہیں۔

وہ رات آج ہی کی طرح چاندنی رات تھی ۔ ہواؤں کے دامن میں زعفرانی خوشبو کی دل افروز لہریں شامل تھیں ۔ میرے دل میں

بھولی ہوئی کہانی کا ایک ہلکا سا عکس نظر آیا۔ جس میں اس کی حسین و جمیل شکل دکھائی دی۔ جیسے وہ دودھ میں نہائی ہوئی ہو۔ باغ میں مختلف الوان کے گلہائے شگفتہ دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔ دماغ خوشبو کی شفاف لہروں میں بہا جا رہا تھا۔ ملکۂ شب کے پھول اپنی بھینی بھینی خوشبو میں مگن چاند کی ضوفشاں کرنوں میں لہرا رہے تھے۔

دیکھو وہ گلہائے رنگا رنگ میں آراستہ نشاط و عیش کی بانسری چھیڑتی آ رہی ہے۔ اس کی سیاہ کا فر لٹیں اور ساری کے آنچل دوشِ فضا پر لہرا رہے ہیں۔ آسمانی جگنو دامنِ شب تار میں گوشیاں کر رہے ہیں۔ یکایک شیریں راگنیاں کہیں سے بہہ کر آئیں "دلنواز اٹھو۔ دیکھو خواب کے دیس سے ایک پری آئی ہے" یہ سُن کر جیسے آسمانی جگنوؤں نے ایک قہقہہ لگایا۔ ہوائیں عشرت کے ترانے الاپنے لگیں۔ مجھے خوف معلوم ہوا جیسے جسم کے ایک ایک روئیں میں کپکپی پیدا ہوئی۔ پھر مجھے احساس ہوا۔ یہ کس خواب کے دیس کی حسین و جمیل دوشیزہ ہے۔ جو میری گم شدہ جانِ حیات کا روپ چھین کر میری آنکھوں میں خواب کا جال بُن رہی ہے۔ میں نے خوفزدہ ہو کر آنکھوں کو ملتے ہوئے دیکھا۔ وہ میرے سامنے بیدِ مجنوں کی طرح کانپ رہی

تھی ۔ پھر اس نے جانے کا قصد کیا ۔ اور میں نے پوچھا "تم کون ہو؟"

سرمگیں نگاہوں سے دیکھ کر وہ رُک گئی ۔ تاروں کے عکسِ جمیل میں میں نے دیکھا ۔۔ اس کی دو بڑی بڑی آنکھوں میں آنسوؤں کی لڑیاں ہیں . . . اس کے لب ہلتے نظر آئے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہے ۔ لیکن قوتِ گویائی پردۂ حجاب میں روپوش ہے ۔ سامنے درخت کی نازک شاخیں ہواؤں میں کانپ رہی ہیں ۔ اور ستارے بادلوں کی آڑ میں چشمک زنی کر رہے ہیں ۔ پدما کے پھول کی کنواری کلیاں کبھی کبھی موجِ ہوا سے جاگ اٹھتی ہیں ۔۔ اور تاروں کو دیکھ کر نگاہیں نیچی کر لیتی ہیں ۔۔ اس نے زخمی ہرنی کی طرح کانپتے ہوئے کہا "تم یہاں کب آئے ؟"

میں نے کہا "آج ہی آیا ہوں ۔ تم اچھی ہو نا پری !"

ایک درد انگیز ہلنسی ہنس کر بولی "جی ! میں اور میرے مکان کے تمام لوگ یہاں آئے ہیں ۔۔ بھائی جان نے اس باغ کو نئے انداز سے آراستہ کیا ہے ۔ وہ دیکھو تالاب کے ساحل میں سب لوگ کہانی سن رہے ہیں "

میرا نشہ جیسے ختم ہو گیا ۔ میں نے فوراً اٹھتے ہوئے کہا "آج

دو سال بعد ملاقات ہوئی ہے۔ تم کچھ بدلی سی معلوم ہو رہی ہو۔
کیا بیمار تھیں "

اس نے اپنے درد دکھ کو آنکھوں کی راہ بہاتے ہوئے کہا۔
" نہیں " نہ جانے پھر اس کے دل میں کونسی دبی ہوئی باتیں یاد آگئیں
کہ رقت انگیز آواز میں بول اٹھی " تم یہاں کیوں ؟ میں جانتی ہوں "

ایک ہی لمحہ کے اندر آسمان کی دودھ جیسی چھائی سیاہی میں تبدیل
ہوگئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ایک دبے ہوئے دکھ کی ضرب شدید
سے میرا کلیجہ چھلنی ہوگیا۔ اور نہ جانے کس عالم بیہوشی میں میرا سر جا کر
دیوار سے جا لگا۔ اور بائیں آنکھ سے خون کا سرخ سرخ دھارا بہنے لگا۔
میری اس حالت کو دیکھ کر پری نے فوراً اپنے آنچل کے ٹکڑے کر کے
میرے زخم میں پٹی باندھ دی۔ میں ان باتوں سے لاعلم تھا۔ جب
میں نے آنکھیں ملنا چاہا تو دیکھا کہ پری زخم میں پانی کے قطرے ٹپکا رہی
ہے۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے کے لئے بیتاب ہونے
لگے۔ میری نخوت فوراً چور چور ہوگئی۔ اور میں نے نرم آواز میں کہا۔
" پری ! بہت بھول ہوگئی مجھ سے معاف کر دو "

دیر تک خاموش رہنے کے بعد نہ جانے اس نے آہستہ آہستہ
کیا بڑبڑایا۔ اور پھر رخصت ہونے کی تیاری کرنے لگی۔ یہ دیکھ کر مجھ سے

نہ رہا گیا۔ اور میں نے کہا: "تو کیا تم جا رہی ہو؟"

اشکبار آنکھوں سے وہ بولی: "ہاں!"

لیکن شبِ روشن کی چاندنی کی مانند اس کی آغوش سُن سی ہوگئی اور پتھر کی چٹان کی طرح وہیں کھڑی رہی۔ جب میں نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی — دیکھا کہ موسم سرما کے سرد آلود شبنم کے قطرے کی مانند اس کی دونیم باز آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے ہیں۔ مجھ میں اب تاب نہ تھی کہ ان دلدوز مناظر کو اور دیکھوں اس لئے واپس چلا آیا۔ میری پلکیں جیسے کسی ناگہانی حادثے سے کپکپا رہی تھیں۔ خیال ہوا کہ یہ چاندنی رات آلام و مصائب کی بھیرویں سُنا رہی ہے۔ اور پتھر کا جگر کانپ رہا ہے اور وہ — میری جانِ حیات شبنم فشاں آنکھوں سے تارے بھرے آسمان کو دیکھ رہی ہے۔ آہ! آسمان ہی کی مانند میری چھاتی میں شعلہ انگیز تارے جل رہے ہیں۔ اور چنگاریوں کے بیچوں بیچ میری نبضِ حیات آہ و بکا میں ڈوبی ہوئی چل رہی ہے۔ اور کبھی کبھی بجلی کے نظر افروز شعلے کی طرح بھبک اٹھتی ہے۔

اس دن میرے دل میں یکایک یہ خیال آ کر نشتر چبھونے لگا۔ کہ میں کتنا ستم رسیدہ ہوں۔ جسے میں نے مدّت دراز کے بعد حاصل کیا۔

تھا۔ اسے اپنے سینے سے چمٹا کر کیوں نہ رکھ سکا۔

آہ! میں بے خبر ہستی محو خواب ہوں۔ اور کیا اس خواب نوشیں سے کبھی بیدار بھی ہوسکوں گا۔ دیکھو، دیکھو میرے سامنے ان آنسوؤں کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔ جو جدائی کے وقت پیش کئے گئے تھے۔ جس کی پاکیزگی کو دُرِ شاہوار بھی حاصل نہیں کرسکتے۔ کاش میں ان آنسوؤں کو جو جدائی کے وقت اس کے بنفشی رخساروں سے مس ہو کر گر رہے تھے اپنے لبوں سے خشک کرسکتا۔ ان ہونٹوں کے ملکوتی نغمے اور پُرکشش راگنیاں ہمیشہ میرے کان میں بجتی رہیں گی۔ لیکن آہ اس سے محبت کرکے بھی اسے حاصل نہ کرسکا۔ تو پھر اس نے میرے ساتھ اتنی سنگدلی کیوں کی۔ میری محبت کی ناقدری کیوں کی۔

میں اس کے ساتھ محبت کرتا آیا تھا۔ دل کی تمام تر خواہشوں اور تمناؤں کو تیاگ کر۔ خواہشات کی دُنیا سے میں بہت پرے تھا۔ پہلے بھی مجھے احساس ہوتا تھا آج بھی ہو رہا ہے کہ اس کو نہ پاکر میری زندگی مضمحل ہوگئی۔ لیکن دل پر ہاتھ رکھ کر میں نے تو کبھی اس بات کی کوشش نہ کی کہ خواہشیں مٹانے کے لئے اسے حاصل کروں۔ جس دن میرے دل کے اندر نفس پرستی کا غلبہ ہوا تھا اسی دن نہ جانے کس غیبی ہاتھ نے مجھے روک لیا۔ اور میں شرم و حجاب کے دامن میں محجوب ہوگیا تھا۔ کیا میری

یہ حقیقی محبت دو ہی دن میں فنا ہو سکتی ہے ــ !

جب محبت دو دلوں کو ایک نامعلوم کشش سے جکڑ دیتی ہے ، تو اسے محبت نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ تو طمع اور خواہش ہے ۔ حقیقتاً خواہش انجام کار میں محبت کو بدل سکتی ہے اگر وہ دور دور رہے ۔ مگر یہی محبت پل بھر کے وصل سے کتنی نفرت انگیز اور مکروہ بن جاتی ہے ۔ محبت کا وصل تو اتنا آسان نہیں اس لئے یہ سوچ کر کہ میری زندگی بھی ہمیشہ دُکھ کے کانٹے میں گذرے گی میں نے ان اچھوتے لب ہائے مرجاں میں سمّ قاتل جذب نہیں کیا ۔ میں اس رعشہ براندام دوشیزہ کو اپنی مرتعش انگلیوں سے چھیڑ نہ سکا، اگرچہ مجھے زندگی کا دُکھ اور پندارِ حُسن کا کانٹا نصیب ہوا ۔ پھر بھی میں یا بھول کر یہ نہیں سوچتا کہ اس طرح بے شرم بن کر اندھے پتھر کی وصل نے میری جانِ حیات کی توہین کی ہے ۔ مجھے معلوم ہے کہ اس طرح اسے پا سکتا ہوں ۔ اس طرح حاصل کرنا عام انسانوں سے بالکل مختلف ہے مجھے یقین ہے کہ آج جسے دُکھ اور درد خیال کر رہا ہوں میری زندگی میں وہ دُکھ ایک دن ثمر بار درخت کی طرح لہلہا اٹھیں گے " مجھے اس سے دوامی محبت ہے " یہ کہہ کر میں نے دامن کشی کر لی ۔ مگر آہ ! میرے اس اشارے کو نہ سمجھ کر اس نے کس طرح انکار کر دیا " میں تمھارے حُسنِ جہاں تاب سے قطع تعلق کر کے آلام و مصائب کے کتنے عمیق خلیج میں

غرق ہو گیا ہوں۔ اسے تم نہ سمجھ سکو گی۔ پری! نہیں، ان تکلیفوں سے زیادہ تکلیف تو اس بات کی ہے کہ تم میرے گھاؤ کے ناسور دیکھ نہ سکیں میں نے تمھیں جتنا دُکھ دیا اس احساس سے میری آنکھیں کس طرح اشکبار رہتی ہیں۔ دل میں رہ رہ کر کس طرح کوہِ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے۔ اگر تمھیں یہ معلوم ہوتا تو شاید اس دن میری روح کو بھولی ہوئی باتیں یاد دلا کر پریشان نہ کرتیں۔

جانِ تمنّا! مجھے معلوم ہے تم اس دن آؤگی۔ جب میری زندگی کی تمامتر رنگینیاں اور تمنّاؤں کی دُھندلی شعاعیں کہر آلود فضاؤں میں دم توڑ دیں گی۔ تم دل ہی دل میں سوچوگی۔ اس دن تمہیں کوئی سمجھانے والا نہیں رہے گا۔ مگر آہ چشمِ آرزو! میں تمھارے آنسو دیکھ سکوں گا۔ اور محسوس کرسکوں گا کہ تمھارے دل سے میری یاد محو نہیں ہوئی۔

دیکھو میرے سامنے رائفل کی گولیاں بکھری ہوئی ہیں۔ یہ خواب کی تاریکی کے ہزاروں اقسام کے خواب کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ کسی کا تعلق کسی سے نہیں۔ میں ان گولیوں کو مضبوط ڈور میں گوندھ رہا ہوں۔ اور جانتی ہو میری یہ تحریر بھی ان ہی گولیوں کے ہار کی مانند ہے۔

پھر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ہجومِ جذبات سے بیتاب ہو کر عالمِ نکہت و تعطر میں اس کے ساتھ اس طرح سلسلۂ گفتگو کا آغاز کرنا مجھے زیب

نہیں دیتا۔ کیونکہ اس نے ضرور اپنی جودت و ذہانت کی وجہ سے سمجھا ہوگا کہ میں اپنے باطل ضمیر کو مرکز شعاع کے اندر رکھ کر اس کے سامنے نخوت کی قربانی پیش کرنے گیا تھا۔ اور شاید جب اس کے دل کے اندر یہ بات آئی ہوگی تو نفرت کے خوف سے اس کے جسم میں رعشہ پڑ گیا ہوگا۔ جب بھی میری طرح بدنصیب انسان میرے مجروح دل میں رحم و کرم کے الفاظ کی پٹّی باندھتا ہے تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ وہ میرے ساتھ ہنسی کر رہا ہے۔ مگر یہ تو میرا قصور ہے۔

خواب کی تاریکی اب تک میری آنکھوں سے نہیں گئی۔ آہ! دل کتنا نازک شیشہ ہے کہ اس کے اندر قوتِ برداشت کا مادہ ہی نہیں۔

میرے دل کے اندر عجیب یقین کی چٹان بیٹھ گئی ہے کہ اسے مجھ سے زیادہ محبت ہے مگر اس دن جو اس نے میری تذلیل کی اور رشتۂ محبت کاٹ کر چلتی بنی۔ آہ وہ ایک ایسا دُکھ ہے جو ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت وہ کس طرح سنگین سے کھیل رہی تھی۔ وہ منظر بُھلایا نہیں جاتا۔ جب ستم انگیز الفاظ کہنے کے قبل اس کی آنکھیں آبشار کی طرح اپنی چھاتی کے تمام کھول کو آنسوؤں کی راہ بہا رہی تھیں۔ ساری باتیں باطل ہو سکتی ہیں۔ لیکن ـــ یہ اتنی بڑی حقیقت تو باطل نہیں ہو سکتی۔ اے بے بصر انسان! اگر تو نے اس وقت اس کا باطنی دُکھ دیکھ لیا ہوتا ـــ اگر تجھے اس کا وہ سینہ جہاں کو،

آتش فشاں پھٹا ہوا تھا اور لاوے کی سُرخ ندیاں بہہ رہی تھیں ، نظر آجاتا تو شاید تجھے یہ باطل دُکھ اذیت نہیں پہنچا سکتا۔ اگر وہ اس قدر سربلندی اختیار نہ کرتی تو عام کنواریوں کی مانند ضرور برق سوزاں کی ایک تڑپ بن کر تیرے پاؤں پر گر جاتی اور چیخ چیخ کر کہتی " دیوتا! بہت اچھا کیا تم نے لیکن اس بدنصیب کو شعلے کی آنچ میں نہ گھسیٹو۔ اگر اتنا ہی کرم دکھانا ہے تو میرے قریب نہ آؤ۔"

ایک دن کی بات ہے ۔۔۔ پری اپنی تیسری منزل کے برآمدے میں نصف شب کو ، نیم خوابی کے عالم میں دُکھ کا یہ راگ الاپ رہی تھی۔

غرق ہے خوابِ محبت میں ابھی

دیکھ ، دیکھ آئی بہارِ جانفزا

صدائے طاؤس کے ساتھ سیاہ بادل کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ جھم ، جھم . . . . ازلی رقص و سرود میں ڈوبی ہوئی صبح حسبِ معمول بے حس بن کر غروب ہوگئی۔ اسی لمحہ جانکنی میں مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اپنی جانِ تمنا کو گم کر دیا ہے۔ نہیں نہیں ، میں نے تو اُسے بہزار دقّت حاصل کیا ہے۔ آج میری شبِ وصل کبھی ختم نہ ہوگی۔ رات کی آخری ہچکی اور صبح کا رُخِ روشن میرے گھر سے باہر طلوع و غروب ہوگا۔

کلیاں پھول بنیں گی ۔ اور پھول ہوا کے دامن میں اپنی خوشبو پھیلائیں گے ۔ .... میری سکون پرور کٹیا میں وہ درد انگیز راگ کانوں کے اندر بازگشت کرتا رہا اور احساس ہوا کہ شاید دو تین دن بعد اس کے شہر میں گلے کی دُکھی ہوئی آواز نہیں سن سکوں گا ۔ اور مجھے بیس سال کی "جانِ تمنّا" کو گم کر دینا ہوگا ۔

لیکن آہ ! دم واپسیں اسی کی کچلی ہوئی موسیقی میرے دل کی بانسری میں جھنکار پیدا کرتی رہے گی ۔ تین دن کے اندر مجھے اس سے اپنے دل کے تمام پوشیدہ راز کہہ دینا ہونگے ۔ اس کے بعد میرے سینے میں اس کا خیال ، اس کی یاد اور ہماری رومانی راتیں جہنم کی چنگاریاں بن کر جھلساتی رہیں گی ۔ وہ کہیں دور دراز اقامت گزیں ہو جائیگی اور میں بھی کسی شکست خوردہ دیس میں اپنی راہ لوں گا ۔ اس کے بعد ہم دونوں کے درمیان ناقابلِ عبور خلیج حائل ہو جائے گی ۔

ان تمام باتوں کو سوچ سوچ کر میں برسات کی رم جھم آوازوں میں مل کر راگ الاپنے لگا :۔

"جانِ تمنّا ! آؤ ہم دونوں مل کر پیاسے ابابیل کی طرح بارش کی پھوار میں سکون کے ساتھ سو جائیں ۔ ہمیں چاند کا امرت نہیں چاہیئے ۔ ہم چکور تو نہیں ہیں ۔ ہم ابابیل ہیں ۔ ہمیں صرف برسات کی دھارائیں

چاہئیں ۔ پھاگن کا مہینہ ہے ۔ بادل کی لہریں ہواؤں سے کھیل رہی ہیں ۔ ہم بھی انہی کی طرح ایک دوسرے کو یاد کر کے رخصت ہو جائیں گے ۔ جانِ تمنّا ! تم بھی اسی طرح نصف شب کو بسنت کی بارش بن کر اپنی دُکھی آغوش کو میرے حوالے کر دو ۔ اس کے بعد دور کھڑے ہو کر چاروں طرف افسوں بکھیرتے ہوئے کہیں گے :۔ الوداع !۔"

اس نے میرا راگ سنایا نہیں ، کہہ نہیں سکتا ۔ لیکن اس وقت بارش تھم چکی تھی ۔ اور اس کے دامن کی ہوا سے جیسے میری اُداس کٹیا کے چراغ نے کانپتے کانپتے دم توڑ دیا ۔ . . . .

اس کے بعد طوفانی ہواؤں میں مل کر پاگل بادل کی ایک ہی آواز سُنائی دینے لگی :۔ رم جھم ، رم جھم !"

جُدائی کا دن !

ہر طرف اس کی جدائی کا راگ باز گشت کر رہا تھا ۔ طوفانی حوادث کا دستِ ستم میرا گلا دبانے کے لئے دراز ہونے لگا ۔ بے چینی اور اضطراب کے ترکش کا مجھے نشانہ بنایا جانے لگا ۔ میری آرزوئیں تودۂ خاک بن گئیں جذبات پامال ہو گئے ۔ آہ ! میں بیم ورجا کی جاں گسل گھڑیاں اور مفارقت کی طویل ساعتیں کس طرح گذار سکوں گا ۔ اُف یہ تنہائی ـــــ تاریکی ،

خدایا!

جوشِ گریہ میں میں باہر نکل گیا ۔ یہاں بھی آنسوؤں کا ایک طوفان تھا ۔ اور شعریت و موسیقیت کی تمام شیرینیاں انگاروں میں تبدیل ہو گئی تھیں ۔ اداس شام کا آسمان جیسے مجروح ستارے کی طرح تنہا چیخ رہا ہے ۔ اور ہزاروں نورانی مشعلیں بادلوں کے سیاہ قافلہ میں مدفون ہو چکی ہیں ۔ آم کی کلیوں کے ساتھ سامنے والے قبرستان کی ہوائیں بھی پھولوں کو شگفتہ کرنے لگیں ۔ مگر اس شگفتگی کے اندر مجھے مردہ ہڈیوں اور مدفون تمنّاؤں کی نشانیاں نظر آئیں ۔ یہ دیکھ کر میرے حلق سے ایک چیخ نکل گئی ۔ اُف! ان پھولوں کی نزاکت کے اندر کتنی لاشیں چھپی ہوئی ہیں ۔ ان ہواؤں میں کسی ناکام تمنّا کی کتنی آہیں سمائی ہوئی ہیں ۔ یہ گریہ وزاری جیسے مجھے بھاگ جانے کا اشارہ کر رہی تھی ۔

پری کی شادی ہو گئی ۔ اور میں بھی اس راز کو چھپا نہ سکا کہ میں جنگ میں شامل ہو گیا ہوں ۔ اتنا سن کر سبھوں نے یکزبان ہو کر کہا کہ مجھ بدنصیب اور ستم کیش کے لئے سپاہیانہ زندگی ہی بہتر ہے ۔
لیکن میری اس خبر کو سن کر چھوٹی بہن کی ہچکی بندھ گئی تھی ۔ جب میں اس سے ملنے گیا تو بولی "جاتے ہو بھائی جان! کیا اب واپس نہیں

آؤ گے تم ؟ اتنی بڑی مہم میں جا رہے ہو جسے چھوڑ دینا بھی گناہ ہے ۔
مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں بہادر بھائی کی بہن ہوں ۔ مگر تم مجھے بھول
نہ جانا ۔ اگر کسی دن میری بھی ضرورت پڑی تو میں بہ خوشی چلی آؤنگی ۔"

میں اپنی پیاری بہن کی زبان سے یہ سپاہیانہ الفاظ سن کر فرطِ
مسرت میں پھول گیا ۔ جب آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے تو دیکھا بہن
کی پلکیں بھیگی ہوئی ہیں ۔ پھر کچھ دیر بعد وہ بولی " شاید تمھیں اس بات
کا دکھ ہو گا کہ تمھیں کمانے کیلئے جانے سے نہیں روکا ۔ مگر بھائی کیسے بتاؤں
کہ میری طرح سبھوں کی آنکھیں تمھاری مفارقت میں چھپ چھپ کر آنسو
بہا رہی ہیں ۔ ہاں بھائی ایک بات اور ہے ۔ تم ایک دفعہ اور پری کے
گھر جاؤ ۔ آخری ملاقات میں شرم اور لاج اچھی نہیں ۔ پری نے جب سے
یہ بات سُنی ہے اس کا دل ٹوٹ گیا ہے ۔ اور آنکھیں ہر وقت اشکِ غم
برساتی رہتی ہیں ۔ جاؤ ایک بار ضرور اس سے ملو ۔"

مجھے بھی اس بات کا فخر ہے کہ وداعی گھڑی میں میری بہن نے اپنے
شجاعت آمیز الفاظ میں ہمت افزائی کی ۔ اس کی آنکھوں کے دو گوہرِ
آبدار مجھ مسافر کے لئے جدائی کے عالم میں تابناک ستارے ثابت
ہوئے ۔

جانِ تمنا پری یکایک مجھے دیکھ کر پیروں پر گر گئی ۔ اس کی نیم باز

پلکیں میری جانب اٹھیں۔ میں نے دیکھا کہ آنسوؤں کے تقاطرِ محبت سیمگوں رخساروں میں ٹپک رہے ہیں۔ اور سینے کی دبی ہوئی سسکیاں میرے جذباتِ خفتہ میں رعد و برق کا کام کر رہی ہیں۔ میں نے اپنی اشکبار آنکھوں کو خشک کرکے اور اس کے سر پر دستِ محبت پھیر کر کہا "تمھاری عمر دراز ہو۔ ہمیشہ سکھی رہو"

وہ بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر باندازِ تمکنت رخصت ہو گئی۔

جب میں نے اپنی شکستہ کٹیا کے دروازے میں کھڑا ہو کر ایک بار آخری نگاہِ محبت ڈالی اس وقت احساس ہوا کہ گلاب کے پھول جیسے ہاتھ مجھے اشارہ کرکے رخصت کر رہے ہیں۔ اور ندی کے اس پار سیمل درخت کے قریب معلوم ہوا کہ وہ ایک ایک شاخ میں پریتم کے خون آویز دل کو آویزاں کر رہی ہے ـــ اور اس کے آنسو ننھے بچے کی مانند بے تحاشہ گر رہے ہیں۔

اپنے زخمی دل کو سکون دیکر ایک بار پھر شکستہ کٹیا پر نظر ڈالی۔ اور بیٹھی ہوئی آواز میں یہ کہہ کر رخصت ہو گیا "جے ـــ مسافر کی جے"

پری کی کہانی

از بیر بھوم!

تمام باتیں بھول کر ان کی صرف ایک بات یاد آ رہی ہے
اور وہ یہ کہ جس کو میں نے شکست خوردہ روشنی کے قریب دیکھا تھا۔ آج
وہ میری زندگی کا ہار اپنے گلے میں ڈالے ہوئے ہے۔ اور وہی گم کردہ
جانِ نشاط روشنی کی مالا لیکر میرے دُکھ کی تھالی سجا کر بیٹھا ہے۔۔ اُف
وہ کتنا آس والا ہے۔ یہ کس دن کی امید ہے ۔ اور کس کا انتظار
ہے!

اُس دن جب وہ مجھے الوداع کہنے آئے تھے مجھے احساس ہوا
تھا کہ میرے سارے بندھن ٹوٹ جائیں گے۔ اُف! میرے خدا! تو نے
میری چھاتی کے اندر درد وغم کا بچھونا کیوں بچھا رکھا ہے۔ میرے معبود
مجھ میں قوتِ برداشت عطا کر ورنہ شرم اور لاج رکھنے کی جگہ کہیں
نصیب نہ ہوگی۔ اگر میں اس دن ضبط نہ کرتی تو شاید آج میرا دل
پاش پاش نظر آتا۔
شاید میری محبت ان کے کعبۂ دل میں سجدہ ریز ہوگی۔ ان کے

آرام کے لئے ان کی کامیابی کے لئے میں کیوں اس راہ سے قطع تعلق کرلوں ۔ اگر میری تمام زندگی کا سرمایہ ان کو سکھی کرسکتا ہے تو میرے لئے یہی باعثِ مسرت ہے ۔

میرا یہ احساس آج مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں ان کے دل کے سارے توہمات نکال پھینکوں ۔ ظاہری اور باطنی حکومت کے درمیان آج عجیب عزیب کش مکش ہے ۔ سماج اور مذہب میری تذلیل کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

"تمھارا یہ خیال بے بنیاد ہے ۔ بہت بڑا گناہ ہے ۔"

یہ سن کر دل باندازِ استہزا کہتا ہے "میں باطل پر یقین کیوں کروں ؟ جو باطنی حقیقت ہے وہی اصل ہے ۔ اس سے دامن کشی کرنا گناہِ عظیم ہے ۔ سماج کی فطرت کے ساتھ حقیقت کا ایک دفعہ مقابلہ کرکے دیکھو۔"

اگر ہم باطنی حقیقت کو چھوڑ کر سماج اور مذہب کو ضرب پہنچانے کی کوشش کریں تو یہی ہماری بھول ہوگی ۔ کیونکہ ہم سماج اور مذہب کی حقیقت کی باطنی فطرت کو نظر انداز کرکے اس کی ظاہری نمود کو دیکھتے ہیں اور ہماری طرح حقیقت سے منکر اور کون ہوگا ۔ ہم اندھے منکر کو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں ۔ لیکن ہم اس بات کو قبول نہیں کرتے ، بلکہ اس کی مخالفت

میں ہزاروں دلائل پیش کریں گے ۔ اگر ہمیں کامیابی ہوگئی تو پھر ہم باطنی حقیقت کو نظر انداز کر کے جس کو شوہر کہتے ہیں ـــ اس کا بھلا کیا ہوگا !

دل نے حقارت آمیز الفاظ میں کہا :" ہاں ایک دشوار امر کو انجام دینے کے بہانے تم جو اتنی حقیقت کی تذلیل کر رہی ہو ، جانتی ہو اس کی سزا کیا ہے ؟ـــ اگر تم نے اس کا خیال نہ کیا اور باطنی توہمات دھوڈالے تو سمجھو یہی مناسب سزا ہے "

دل کا یہ نخوت آمیز فرمان سن کر میری آنکھیں اشک آلود ہو گئیں ـــ مجھے بھی نہ جانے کیوں احساس ہوجاتا ہے کہ میں نے دانستہ انھیں نظر انداز کر دیا ـــ مگر آہ پھر بھی سربلندی اور رعونت کی کارستانیاں اپنی جگہ اٹل ہیں ۔ محبوب کی نفرت میرے پردۂ دل میں برابر منقوش رہے گی ۔

کل میری شبِ وصل تھی ۔ عورتیں ـــ کنواریاں اور بڑھیاں اپنے نسوانی چونچلوں کے ساتھ ـــ مسرت و شادمانی کا اظہار کرنے آئی تھیں نشاط و عیش کی طرب آگیں موسیقیاں اور قہقہوں کی شیریں راگنیاں درودیوار کو شاد کام کر رہی تھیں ۔ مگر میرا دل اجڑے ریگستان کی

طرح خاموش تھا۔ اس کی ویرانی اس شکستہ رباب کی سی تھی جو اپنے تاروں کے ٹوٹ جانے کے بعد کسی گوشے میں پھینک دیا گیا ہو۔ اور اس کے نغمے ہمیشہ کے لئے دفن کر دیئے گئے ہوں۔ میرا دماغ ایک نامعلوم بارِ گراں سے بوجھل ہو رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں کے بار سے جھکی جا رہی تھیں ـــــ میرے سرتاج نے دستِ محبّت سے میرے بازو کو اپنی گرفت میں لیکر پوچھا "کیوں، یہ آنسو کیسے پری!" ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

میں نے اپنی اشک بار آنکھوں کو چھپاتے ہوئے دل ہی دل میں کہا "دل کے اندر بہت درد ہے سرتاج!"

جب عورت اس طرح رنج کے آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتی ہے درحقیقت اسی وقت اس کی باطنی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ یکایک بول اٹھے "پری! تمھارا دکھ مجھے معلوم ہے ـــــ تمھارے دل کے اس درد کو کس طرح آرام پہنچا سکتا ہوں، بولو!"

یہ سُن کر جیسے میرا احساسِ خفتہ بیدار ہو گیا۔ اور میں نے کہا "آپ کو سب معلوم ہے"

انھوں نے تلخ ہنسی ہنس کر جواب دیا "مجھے یاد ہے اور شاید تمھیں بھی معلوم ہو کہ اظہر میرے بچپن کا ساتھی ہے۔ ہم دونوں نے

ایک ساتھ تعلیم حاصل کی۔ جنگ میں جانے سے قبل اس نے اپنی ساری کہانی مجھے سُنائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ تاہم تمام باتیں جان کر بھی مجھے یہی احساس ہوا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ بڑی بے انصافی کی۔ اب سوچ رہا ہوں کہ میں اسے خوش نہیں کرسکا۔ بلکہ اس کے آلام و مصائب میں اور اضافہ کردیا ہے۔ شاید اس بدنصیب کی موت بھی سکون کے ساتھ نہیں ہوگی۔ میری زندگی کا یہ پہلا اور آخری جسُرم ہے ــــ اس نے میرے پاؤں پکڑ کر آزادی کی خواہش کی تھی۔ میں آزادی کا صحیح مفہوم سمجھ نہ سکا۔ اب میں نے اس وعدہ کو پورا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے پری! مگر جو سبھوں کو خوش کرنا چاہتا ہے وہ کسی کو خوش نہیں کرسکتا۔ تو کیا ہم اس کو خوش نہیں کرسکتے۔ اُف خدا! اظہر نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب زندگی بھر واپس نہیں آئے گا۔ اور مجھے اس کی اس بات پر یقین بھی ہے۔ اس نے تمہیں سُکھی کرنے کے لئے مجھے منتخب کیا ہے ــــ بولو پری! تم کس طــــرح سُکھی رہ سکتی ہو ــــ؟"

میں نے ان کے پیروں میں گر کر روتے ہوئے کہا ــــ" سرتاج! تم میری قربت سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹو۔ مجھے اسی طرح اپنے قدموں میں رہنے دو۔"

طرح خاموش تھا۔ اس کی ویرانی اس شکستہ رباب کی سی تھی جو اپنے تاروں کے ٹوٹ جانے کے بعد کسی گوشے میں پھینک دیا گیا ہو۔ اور اس کے نغمے ہمیشہ کے لئے دفن کر دیئے گئے ہوں۔ میرا دماغ ایک نامعلوم بارگراں سے بوجھل ہو رہا تھا اور آنکھیں آنسوؤں کے بار سے جھکی جا رہی تھیں ـــــ میرے سرتاج نے دستِ محبّت سے میرے بازو کو اپنی گرفت میں لیکر پوچھا "کیوں، یہ آنسو کیسے پری!" ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

میں نے اپنی اشک بار آنکھوں کو چھپاتے ہوئے دل ہی دل میں کہا "دل کے اندر بہت درد ہے سرتاج!"

جب عورت اس طرح رنج کے آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتی ہے درحقیقت اسی وقت اس کی باطنی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ یکایک بول اٹھے "پری! تمھارا دکھ مجھے معلوم ہے ـــــ تمھارے دل کے اس درد کو کس طرح آرام پہنچا سکتا ہوں، بولو!"

یہ سُن کر جیسے میرا احساسِ خفتہ بیدار ہو گیا۔ اور میں نے کہا "آپ کو سب معلوم ہے"

انھوں نے تلخ ہنسی ہنس کر جواب دیا "مجھے یاد ہے اور شاید تمھیں بھی معلوم ہو کہ اظہر میرے بچپن کا ساتھی ہے۔ ہم دونوں نے

ایک ساتھ تعلیم حاصل کی ۔ جنگ میں جانے سے قبل اس نے اپنی ساری کہانی مجھے سُنائی تھی ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ تاہم تمام باتیں جان کر بھی مجھے یہی احساس ہوا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ بڑی بے انصافی کی ۔ اب سوچ رہا ہوں کہ میں اسے خوش نہیں کر سکا۔ بلکہ اس کے آلام و مصائب میں اور اضافہ کر دیا ہے ۔ شاید اس بدنصیب کی موت بھی سکون کے ساتھ نہیں ہوگی ۔ میری زندگی کا یہ پہلا اور آخری جُرم ہے ـــــ اس نے میرے پاؤں پکڑ کر آزادی کی خواہش کی تھی ۔ میں آزادی کا صحیح مفہوم سمجھ نہ سکا ۔ اب میں نے اس وعدہ کو پورا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے پری ! مگر جو سبھوں کو خوش کرنا چاہتا ہے وہ کسی کو خوش نہیں کر سکتا۔ تو کیا ہم اس کو خوش نہیں کر سکتے ۔ اُف خدا ! اظہر نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب زندگی بھر واپس نہیں آئے گا ۔ اور مجھے اس کی اس بات پر یقین بھی ہے ۔ اس نے تمھیں سُکھی کرنے کے لئے مجھے منتخب کیا ہے ـــــ بو بو پری ! تم کس طرح سُکھی رہ سکتی ہو ـــــ ؟ "

میں نے ان کے پیروں میں گر کر روتے ہوئے کہا ـــــ " سرتاج ! تم میری قربت سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹو ۔ مجھے اسی طرح اپنے قدموں میں رہنے دو ! "

بہت دیر تک پتھر کی چٹان کی طرح بے حس و حرکت بیٹھ کر انھوں نے مجھے اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا "نہیں پری! قدموں میں کیوں میں تمھیں اپنی آغوش میں جگہ دوں گا" پھر اس کے بعد وہ وفورِ مسرّت میں مسکرانے لگے۔

مگر آہ میرا دل سیمابِ منتشر کی طرح آوارہ ہوگیا۔ آنکھیں وفورِ غم میں اشکبار ہوگئیں۔ میں ان سے یہ کہہ نہ سکی کہ انھیں میرے ساتھ محبّت کا اظہار کرنا تھا۔ میرے دلِ محزوں کو اپنی بانسری سے محبّت کا تقدّس مآب نغمہ نہیں سنانا تھا۔ کیا ان کا یہ قصور نہیں ہے۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ کہنے لگے "جو چلا گیا اب اس کے لئے ماتم کرنا بیکار ہے پری! وہ بہادر ہے بس اتنا خیال کرلو، جو ہوا وہ خواب کی تاریکی ہے" یہ کہہ کر وہ اپنی دلنواز راگنی سے آبشاروں کے اندر شہابِ ثاقب پیدا کرنے لگے۔ اور ہر غنچۂ دل نسیم بہجت سے شگفتہ ہونے لگا۔

مالک! مجھے قوت دے اور میرے دل میں صرف اتنا کہہ دے کہ میں اپنے سرتاج کو دھوکا نہ دے سکوں۔ مبتلائے فریب کرسکوں ابھی میرا دل صرف بچّوں کی طرح رونا چاہتا ہے۔ اپنے پچھلے گناہ کا کفارہ چاہتا ہے۔ میرے دل کو سکون دے، انھیں بھی اور سارے دکھی انسانوں کو!

آہ ! محبّت دیکر جو محبّت کو حاصل نہ کر سکے اس کی زندگی بہت دُکھی اور درد انگیز ہے۔ محبّت نہ کرنے سے کسی پر جُرم رکھا نہیں جا سکتا۔ مگر کسی کے ساتھ محبّت زبردستی بھی تو نہیں کی جا سکتی۔

کیا میں پھر محبّت کر سکوں گی ؟ کس طرح گذشتہ کہانیاں بھلا دوں ! جو رخصت لیکر اور فاتح بن کر اس طرح نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کی باتیں تادمِ زیست نہیں بُھلائی جا سکتیں۔ اس بدنصیب کیلئے جس نے اپنی زندگی تلخ کر دی۔ اسے بھلا کیسے فراموش کر سکتی ہوں۔ عورت کی محبّت اتنی گری ہوئی نہیں ہے۔

خنا

ابتدائیہ

کوئی بتائے کہ اس پیکرِ ناز کی نزاکت ورعنائی کے سامنے
میری دونوں پلکیں دُکھ کے کیف واثر سے سُرخ کیوں ہو جاتی ہیں؟
میری چھاتی کس کی شانِ دلربائی اور رعنائی کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے
کس فرحت زدہ کا لحنِ روح نواز ساز کے پردے چھیڑتے ہوئے کہتا ہے —
"یہ کہکشاں، یہ گوہر بارِ نیساں، شام کا یہ تجلّی ریز تارا
اور نغماتِ قدسی کے آنسوؤں کا قطرہ تمہاری آنکھوں میں ہویدا ہے"

آج شام کو احساس ہو رہا ہے کہ خلا سے محبّت کر کے
ایک اور عظیم الشان خلائے مجھے پاؤں سے ٹھکرا دیا ہے۔
میری یہ ناتمام محبّت —
اب معلوم ہوا کہ میرے لئے وجہ تباہی بنی!
اب اس جانِ حیات کی شیریں آواز میرے ہاتھوں کو باندھ نہیں
سکتی۔
سنو، میرا یہ ہار انتظار کا نہیں ہے بلکہ دیوہیکل کی شمشیر ہے!

حنا

باردون ٹریخ فرانس!

اُف آگ اور خون کی لامتناہی بارش! اور کتنی بھیانک آواز!
آسمان کی نیلی چھاتی کا پتہ تک نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے
آسمان میں آگ لگ گئی ہے۔ بموں کے پھٹنے سے آگ کی چنگاریوں
کی جس طرح بارش ہو رہی ہے اگر اسی طرح آسمان کی نیلی آنکھوں
سے پانی کے قطرے گریں تو ایک نہ ایک دن ساری دُنیا غرقاب

ہوجائیگی۔ سیلاب اپنے دامن میں پوری دنیا کو لپیٹ لے گا۔
لیکن آج ہم لوگ خوشی و مسرت کی ترنگوں میں مگن ہیں۔
لیکن جنگ کی یہ ہولناکیاں اور عزیز جانوں کی تباہ کاریاں۔
انسان! انسان کے خون کا پیاسا، ایک دوسرے کا گلا کس سفّاکی
اور بیدردی سے دبایا جاتا ہے۔ ہائے اور واویلا کی المناک چیخیں
سپاہی کے پتھر جیسے دل کو گداز نہیں کر سکتیں۔ رائفل کی گولیاں جب
اپنا سینہ چیر کر انسان کے سینے میں چھید کرتی ہوئی نکل جاتی ہیں۔
اس وقت موت و حیات کا سماں کتنا بھیانک ہوتا ہے۔
اگر انسان اپنی فہم و فراست اور عقل و دانش کو کسی کام میں نہ لاتا
تو آج وہ فرشتوں کی صفوں میں نظر آتا۔ اُف کلیجہ پھاڑ دینے والی
پیاس! میرے قریب ایک دوست رائفل پھینک کر خواب کی
شیریں آغوش میں غرق ہے۔ اگر اسے جگانے کے لئے ہزاروں
گولیاں ایک ساتھ برسائی جائیں تو وہ پھر بھی نہیں جاگے گا۔ وہ
کسی سردار کے احکام کی پروا نہیں کرے گا۔ سات دن ایک
ٹک جاگتے رہنے کے بعد آج تہہ خانوں کی کیچڑ میں کتنے سکون کی نیند
سو رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی کو کونین کی راحت مل گئی
ہے۔ کیا پیاس کی بڑھتی ہوئی خواہش اسی خواب کے دامن میں

پوری ہو سکتی ہے۔

اور میری تشنگی پے بہ پے بڑھتی جا رہی ہے۔ چلوں کمار کی بوتل کے پانی پر ہاتھ صاف کروں۔ کل سے میرا پانی ختم ہو گیا ہے اس عالم تشنگی میں پانی کا ایک قطرہ کتنا شیریں اور راحت بخش ہے مرنا سب کو ہے۔ میں بھی مروں گا۔ پھر اس موت کو یاد کر کے آنسو کیوں بہاؤں! مجھے آلام و مصائب میں ہی راحت ملتی ہے۔ دکھ اور تکلیف کی رگوں میں آرام و سکون کی بانسری نغمہ زن ہے اور شبنم فشاں نگاہوں کے اندر امید کی شعاعیں تیر رہی ہیں۔

آگ اور خون کی تپتی ہوئی فضاؤں میں یہ باتیں لکھ رہا ہوں۔ پاؤں کے نیچے دم توڑتی ہوئی زندگیاں کراہ رہی ہیں۔ اور آسمان پر طیارے بم برسا کر دہشت پھیلا رہے ہیں۔ اور چاروں طرف رائفل کی گولیاں سنسنا رہی ہیں ۔ تاہم ان ہولناکیوں میں گھر کر کاغذ سیاہ کر رہا ہوں۔ آج ان باتوں کو زیب قرطاس کر کے دماغ قدرے ہلکا معلوم ہو رہا ہے۔

قریب ہی مردہ دوست کی لاش کو ٹھکرا کر جگہ بنا رہا ہوں۔ تاکہ آرام ملے ۔ اف آرام! آج بدیشی میم صاحبہ نے مجھے کھانے کے لئے آم کا اچار اور مکھن روٹی عنایت کی ہے۔ لیکن دیسی احباب

مجھے حقارت اور نفرت کی نگاہوں سے گھورتے ہیں۔ہا، ہا، ہا، ہا۔ روٹی سوکھ کر بالکل پتھر جیسی سخت ہوگئی ہے۔ دیکھوں یہ روٹی سخت ہے یا میرے دانت۔ اچار اب تک تازہ معلوم ہو رہا ہے۔

اس تیرہ چودہ سال کی بدلیشی لڑکی نے میرے رخسار کا بوسہ لیتے ہوئے کہا "جیسے بھی ہو اس جنگ کو جلد ختم کرنا ہوگا" میں یہ سنکر ہنسنے لگا۔

اتنی دیر بعد آسمان پر سفید روئی کے گالے پرواز کرتے نظر آرہے ہیں۔ کتنے خوبصورت اور حسین ہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اشک آلود آنکھوں کی سفید لکیریں پھیلی ہوئی ہیں۔

آج میری آنکھوں میں گذشتہ کہانیاں کیوں لہرا رہی ہیں۔ کیسے بھلاؤں میں انھیں۔ یہ کون جو کیچڑ میں لت پت جا رہا ہے۔ لفٹ رائٹ۔لفٹ رائٹ! سمجھا سمجھا۔اور سپاہی ہم لوگوں کی مدد کرنے آرہے ہیں۔

سپاہی کے ہاتھ کو ایک گولی چھید کر سنسناتی ہوئی نکل گئی۔ اب وہ مرہم پٹی کر رہا ہے۔ مجھے نرس ایک آنکھ بھی نہیں بھاتی۔ عورت اگر پیار کر کے خدمت نہ کرے تو پھر میں وہ خدمت اس سے کیوں کروانے لگا۔

میرے سامنے ایک نوجوان مُردہ پڑا ہے۔ نہ جانے اس کی "دوسری زندگی"، کس عالم میں ہے۔ اسے کیا خبر کہ اس کا سہاگ میدانِ جنگ میں گولیوں کا نشانہ بن گیا۔

لوئس ایک نشانے میں تیس چالیس گولیاں مار رہا ہے۔ اگر میں جانتا کہ بیک وقت اتنے انسانوں کی زندگیاں موت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں تو میں اس کا گلا دبا دیتا۔

بیدرد انسان!

سین ندی کے ساحل میں خیمہ۔ فرانس!

دو دن کے اڑتالیس گھنٹے سوتے ہوئے گذر گئے۔ اب خدا کی مخلوق کو رائفل اور مشین گنوں کا شکار بنایا جائیگا۔ میرے کٹھور دل کی طرح یہ جنگ بھی انسانی زندگی کے لئے کٹھور ہے۔ چیخ و پکار۔ درد و کرب، آہیں اور سسکیاں کٹھور دلوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

آج وہی بدیسی لڑکی مجھے اپنے مکان لے گئی۔ اس کا مکان کتنا حسین اور کتنا خوبصورت ہے۔ اس لڑکی کو مجھ سے بہت زیادہ انسیت ہو گئی ہے۔ میں بھی اُسے پیار کرتا ہوں۔ اگر میرے ملک کی

لڑکی کسی مرد کے ساتھ ایسی "نازیبا" حرکت کرتی تو سماج چلّا اٹھتی ــــ "کلجگ ہے ــ مایا جگ ہے ــ اکیس بائیس سال کے نوجوان کے ساتھ کنواری لڑکی اس طرح گھومے ــ توبہ ــ توبہ!"

موجودہ دَور کے انسان محبّت جیسی لازوال دولت کو اتنی تنگ نظری سے دیکھتے ہیں ــ لاحول ولا ــ ان کی مثال تو ان خونخوار گدھوں جیسی ہے جو موقع پاتے ہی شکار کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے ہیں۔ دُنیا میں اتنا گھناؤنا گناہ!

آگ! تم برسو، برستی جاؤ ــــ خدا کی قہاریت اور جبروت اپنے دامن میں سمیٹ کر لاؤ ــ

اے صورِ اسرافیل! تم انسانی ہستی کو آگاہ کرنے کے لئے اپنا کام شروع کر دو ــ بجاؤ اپنا صور ــ تباہی کی خوفناک بجلی! بموں اور مشین گنوں کو تباہ کر دو ــ کیوں نہ پورا آسمان ان کے سروں پر گر جاتے جو محبّت کو نظرِ بد سے دیکھتے ہیں ــــ بے حیا انسان!

فرانس ــ پیرس کے قریب کا گھنا جنگل!

کل یکایک اس جنگل میں آنا پڑا ــ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اتنی جلدی یہاں آؤں گا ــ یہ ملٹری لائن بہت خوشنما نظر آرہی ہے ــ ایک دن

حکم ملا "جلد جلد کام انجام دو"

میں نے پوچھا "کیوں؟"

"تمھیں پوچھنے کا کوئی حق نہیں - یہ میرا حکم ہے"

اس حکم کی تعمیل میں کتنی سنہری سانسیں مدفون ہیں - اگر پوری دُنیا اسی بانسری کے نغمہ سنجیون میں ڈوب جائے تو میں اس زمین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سما جاؤں - کیونکہ یہی "جنّت البقا" ہے اور یہی "خیال" تمام انسانوں کے دلوں کو امید سے مالا مال کر رہا ہے -

اب ہمیں جرمنی کے "ہنڈن برگ لائن" میں لایا گیا ہے ــ اور جنرل ہم لوگوں کو 'پریڈ ... کرانا جاتا ہے - ہماری مثال گھڑی کی سوئی جیسی ہے - جو برابر اپنا کام کئے جا رہی ہے -

دیکھو اب ہمارے سروں پر گولے کی بھیانک بارش شروع ہونے والی ہے - دور، بہت دور آسمان بموں کے سیاہ دھوئیں سے سیاہ نظر آ رہا ہے -

سامنے درخت کے عقب میں تاریکی کا ایک سایہ پھیلتا جا رہا ہے لیکن سنگدل ہوتے ہوئے بھی میرا دل دھڑک کیوں اٹھتا ہے - رفتار نبض تیز تر کیوں ہو جاتی ہے - آہ! اس اندھیری فضا کو دیکھ کر پردۂ دل پر عہد پارینہ کے مٹے ہوئے کتنے نقوش کھچ گئے ہیں -

اور جب میں سایہ کے تعاقب میں درخت پر چڑھ گیا ــــ میں نے دیکھا ــــ قریب کی برف آلود ندی کتنی دلکش نظر آ رہی ہے اور سامنے بموں سے تباہ شدہ مکان کس طرح زبانِ بے زبانی سے واویلا کر رہے ہیں۔

ان تباہ شدہ اور ویران مکانوں کو دیکھ کر میری آنکھوں میں عہدِ طفولیت کی تصویر کھنچ گئی۔ جب ہم بچے ریت سے مکان تیار کرتے تھے۔ اور کھیل کے خاتمہ پر اسی مکان کو توڑ پھوڑ کر یہ گیت گاتے ہوئے چلے جاتے تھے ؎

بنایا تھا ہم نے جو سُکھ کا گھروندا
اُسے ہنس کے اپنے ہی پیروں سے توڑا

نظروں سے دور بہت دور بموں اور مشین گنوں کی جنگیں ہو رہی ہیں۔ اور آسمان کی چھاتی پر منڈلانے والے تارے بھی خوف سے سہم سہم کر روپوش ہوتے جا رہے ہیں۔

اُف! کتنی ہیبت ناک آوازیں ہیں ــــ اور یہ عظیم الشان طیارے کس طرح غوطہ زن ہو ہو کر پرواز کر رہے ہیں۔ ٹھیک اس طرح جیسے کوئی نشانہ باز چیل کو گولی سے مارتا ہے۔ اور وہ ادھر سے ادھر بھاگتی پھرے۔ وہ سب ہمارے ہی طیارے ہیں۔ اور آسمان

کی بلندیوں پر جرمن طیارے ایسے معلوم ہو رہے ہیں جیسے کوئی سویا ہوا اکبڑ ایکایک جاگ کر بھاگا جا رہا ہو۔

وہ بدیسی لڑکی کئی دنوں سے نہیں آئی لیکن اس اچار کو دیکھ کر اس کی یاد تازہ ہو گئی۔ نہ جانے میرا دل اتنا نرم کیوں ہے کہ خفتہ جذبات بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور فراموش شدہ کہانیاں پردۂ تخیل پر عکس ریز ہو جاتی ہیں۔

چند ساتھی آرام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔ رات گہری ہو گئی۔ مگر مجھے اسی طرح صبح تک تہہ خانہ میں رہنا ہو گا۔ جوانی میں پریکی باتیں یاد آرہی ہیں۔ یہ کتنی رومان پرور ہوتی ہے۔ بادل کو چیر کر کس طرح پورنیما کے پہلے دن کا چاند سارے جنگل کو روشن کر رہا تھا۔ آج بھی سارا جنگل جیسے نور کے سیلاب میں غرق ہے۔ اور میرے سر کے اوپر سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا کس طرح رہ نوردی میں مصروف ہے۔

کبھی چاند بادل میں روپوش ہو جاتا ہے۔ کبھی اپنی تابانیاں پھیلاتا ہے۔ جیسے یہ شہزادہ کی مانند شیش محل میں کنیزوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔ دیکھو کون بھاگا جا رہا ہے۔ چاند یا بادل! میں کہوں گا بادل۔ اور ایک معصوم بچّہ کہے گا "چاند" نہیں معلوم

کون حق پر ہے۔

اس وقت روشنی کی پرچھائیاں کتنی حسین ہیں۔

دور ایک پنچھی نہ جانے کیوں اس طرح بول رہا ہے۔ اس ملک کے پنچھی کی آواز کتنی رسیلی اور درد انگیز ہے۔ سنتے ہی نشہ سا آجاتا ہے۔ روشنی کی پرچھائیں دیکھ کر میرے دل میں کتنی مٹی ہوئی کہانیاں حشر برپا کر دیتی ہیں۔

مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے ایک دن کہا تھا۔ حنا! میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔

اور حنا نے اپنی سیاہ لٹوں کو بکھراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"سہراب! مگر میں تو تمھیں اب تک پیار نہیں کر سکی"

اس دن بلوچستان کے میدان میں "جشنِ نوروز" کا کھیل ہو رہا تھا۔ اور میں نے اخروٹ کی ننھی سی شاخ توڑ کر بیلے کے پھول سے مرصع کر کے حنا کے گورے گورے پاؤں کے نیچے پھینک دی تھی۔ لیکن معاً ان سنبلی آنکھوں سے آنسو کے دو قطرے ٹپک پڑے۔ اور مہندی لگے ہوئے ہاتھوں کی طرح چہرہ سُرخ ہو گیا۔ میں نے منقع توڑ کر بلبل کے قریب پھینک دیا۔ اور بلبل گیت روک کر اُسے لے اُڑی۔

انسان سب کچھ پا کر بھی جس چیز کی تلاش کرتا ہے وہی چیز اس کی نگاہوں سے بہت دور رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کا سمجھنا دشوار ہے۔

حنا! حنا!! افسوس!

ہنڈ بترگ لائن!

اُف اب میں کہاں آ گیا۔ یہ تو تحت الثریٰ معلوم ہو رہا ہے۔ جہاں دیو اور پریوں کی حکومت ہے۔ زمین کے بالکل نیچے اتنا عالی شان اور خوبصورت تہہ خانہ! یہاں کی آبادی عجیب و غریب ہے۔

لیکن میں تو سکون اور عیش و عشرت کی خاطر یہاں نہیں آیا۔ مجھے تو آرام کی ضرورت ہی نہیں۔ میں صرف درد، تکلیف اور بےکلی چاہتا ہوں۔ میرا احساس عشرت کے سنہرے دامن سے الجھنا نہیں چاہتا۔ انسان وہی ہے جو ہمیشہ مصروف رہے کیونکہ حرکت کا نام ہی زندگی ہے۔

پھر دل نے فرصت پا کر اسی انگور اور انار سے بھرپور گھر میں قدم رکھا ہے۔ پھر دل کے اندر وہی باتیں قیامت بپا کر رہی

ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ !

حنا! میں آزاد ملک کی گود میں روپوش ہو جانا چاہتا ہوں جس کے اندر آگ ہے۔ شاید میں پھر واپس نہ آسکوں۔ اور سفر کے اخراجات کہاں؟ وطن کو لوٹ جاؤں۔ میں بالکل ہی تہی دست ہوں، بھکاری ہوں۔!

اور میرے ہاتھوں کو حنا اپنے ہاتھوں سے دبا کر کانپتے ہوئے بولی "سہراب تم اس قدر زندگی سے بیزار کیوں ہو گئے۔ تمہاری پریشانیاں مجھ سے دیکھی نہیں جاتیں!"

"تو کیا میں خالی ہاتھ جاؤں ـــــ صرف کشکول گدائی لیکر"

ہوا کا ایک شدید جھونکا میرے گالوں پر طمانچہ لگا کر چلا گیا۔ آ ـ آ ـ آ ۔ ۔ ۔ !!!

جب کوئٹہ سے رخصت ہو کر ہم لوگ اس ملک میں آئے تو اس وقت ایک بنگالی نوجوان ڈاکٹر سیب کے درخت کے نیچے بیٹھ کر یہ راگ ایک حسین سُر میں الاپ رہا تھا:ـ

آہ! میں اب اس کے قریب کس بہانے جاؤں،
جسے آنکھوں میں پانی بھر کر الوداع کہا تھا۔
آج بھی رسیلی ہوا کے جھونکے

کہم کے پھولوں کو ملکو رہے دے رہے ہیں
کیا اس کے دل میں بھی وہ باتیں یاد آتی ہونگی،
مگر آہ اب میں اس کے قریب کس بہانے جاؤں ؟
پورنیما کی حسین روشن رات
بار بار آکر بیکل کر جاتی ہے ۔
لیکن جو چلا گیا پھر واپس نہیں آئیگا ۔
آہ اب میں اس کے قریب کس بہانے جاؤں ۔

لیکن میں کتنا بدنصیب ہوں کہ تمھارے قریب نہیں آنا چاہتا میری جماعت کے لوگوں کا خیال ہے کہ دُنیا میں مجھ جیسا خوش انسان کوئی نہیں ۔ شاید ان کے خیال کی وجہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ ہنستا رہتا ہوں ۔ لیکن آہ! مہندی کے سبز پتّے کی آغوش میں جتنے خون چھپے ہوئے ہیں اس کی خبر کسی کو نہیں ۔

ایک دن میں نے پیانو پر بیٹھ کر انگریزی طرز میں ہوم، ہوم سوئٹ ہوم اس انداز سے گایا کہ سارے فرانسیسی متحیر ہو گئے۔ میں موسیقی کا دیوانہ جو ٹھیرا ۔

ہنڈنبرگ لائن !

کیا کروں کام نہ ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ کوئی
کام تلاش کر ہی لیتا ہوں ۔ کل رات کے وقت رینگتے رینگتے دو میل
چل کر دشمن کے بہتیرے کاٹ آیا ہوں ۔ اور کسی کو مطلق خبر نہ ہوئی ۔
اس کام کا صلہ کمانڈنگ آفیسر نے یہ دیا کہ میں حوالدار بنا دیا گیا
ہوں ۔

آج پھر اسی بدیسی لڑکی سے ملاقات ہوئی ۔ دو سال کے اندر
اس کی خوبصورتی اور حسن میں کتنا اضافہ ہوگیا ہے ۔ اس دن اس
نے مجھ سے بے ساختہ کہا " کیا تم مجھ سے شادی کرو گے "
میں نے کہا " نہیں "
میرے اس انکار سے اس کی آنکھیں جل تھل بن گئیں اور
سینہ پھولنے لگا ۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا ۔
" کیا محبت بھی نہیں کرسکتے تم سے ؟ "
میں چونکہ لاوارث ہوں اسی لئے میں نے جواب دیا " ضرور "
اس کے بعد وہ اپنی زبان میں الوداع کہہ کر چلی گئی ۔
آج کسی گورکھا سے دل بہلانے کو جی چاہتا ہے ۔ یہاں وہ بچے
کی طرح معلوم ہو رہے ہیں ۔ یہ " گورکھا " اور " گاڑدیال " زمانہ

جنگ میں یہ دو ذاتیں کس طرح خونخوار ہو جاتی ہیں ۔ الامان! اگر یہ دو ذاتیں ہمارے ساتھ نہ ہوتیں تو شاید ہم لوگ کبھی یہاں نہ پہنچ سکتے ۔ ان کے چہرے پر بشاشت اور خوشی و مسرت کے ایسے نشانات موجود ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ۔

تہہ خانے کے اندر بٹالین مارچ ہو رہا ہے ۔ فرانس کے شیریں بینڈ کے ساتھ پیر کی چاپ کتنی بھلی معلوم ہو رہی ہے ۔ لفٹ رائٹ لفٹ ۔ جھپ، جھپ، جھپ! ہزاروں انسانوں کے پیر ایک ساتھ اٹھتے ہیں ایک ساتھ گرتے ہیں ۔

بلوچستان!

کوئٹہ کے انگور باغ میں میری چھوٹی سی کُٹیا!

آج ساری دیسی فوجیں واپس آ رہی ہیں ۔ میں بھی آیا ہوں یہ دو سال کتنے سُکھ اور چین سے گذرے ۔

نہ جانے کیوں اس فرانسیسی دوشیزہ کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں یاد آ رہی ہیں ۔ پہاڑ کے اوپر بیٹرس کے لمبے لمبے بال دیکھ کر اس کے گھونگھریلے بال احساس خوابیدہ کو جگا رہے ہیں ۔

میں دُنیا میں تنہا ہوں اس کے باوجود بھی دل کے اندر کسی

کی یاد کیوں بیکل کر جاتی ہے۔ آخر یہ کس کے تسکین آمیز الفاظ ہیں کون مجھے دلاسا دے رہا ہے۔

حنا! حنا!! ۔ آہ کوئی نہیں ۔۔ لیکن ہوا میں مل کر یہ کس کی آواز بہی چلی آ رہی ہے ۔ نا، نا، نا!

پہاڑ کی چھاتی چیر کر آبشار اب بھی بہہ رہا ہے ۔۔ لیکن مہندی سے رنگے ہوئے الفاظ جنھیں حنا کی نازک انگلیوں نے تحریر کیا تھا آج وہ حنا موجود نہیں ہے۔

اس چھوٹے پلنگ پر اس کی کتنی چیزیں بکھری پڑی ہیں۔ حنا، حنا!! پھر وہی صدائے بازگشت! نا، نا، نا!!!

پشاور!

آج حنا سے چار آنکھیں ہوئیں۔ میں نے اسے دیکھا ۔۔ حنا ۔ حنا! ۔۔ آج میں نے تمھیں اس جگہ دیکھا ہے ۔۔ اسی پشاور میں۔ وہ بھی مجھے چھپ کر دیکھتی ہے۔ اور رو دیتی ہے ۔ کچھ بولتی نہیں۔ صرف مشتاق نگاہوں سے دیکھ کر اشک ریزی کر رہی ہے۔

ان نگاہوں نے میرے دل کے اندر آنسوؤں کا سیلاب

جاری کر دیا ہے ۔ اس نے آج بھی کہا ۔ وہ مجھے پیار نہیں کر سکی۔
آخر یہ "نہیں" بولنے کا کون وقت تھا ۔ دیکھو وہی "نا" ہوا
ییں مل کر فضا میں منڈلاتی پھر رہی ہے ۔ دُنیا نے سب کو فتح کر لیا
مگر عورت کا دل ! ۔۔۔

کابل !

جب میں نے سُنا کہ امیر حبیب اللہ خاں شہید ہو گئے تو مجھے
احساس ہوا کہ اتنے دنوں بعد ہند وکش کی چوٹی چور چور ہو گئی ہے
اور کوہ سلیمان کی اساس بھی اکھڑ گئی ہے ۔

دس دن تک میں یہی سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے ۔
آخر کار دل نے یہ فیصلہ کیا کہ میں بھی امیر کی مانند جنگ و جدل میں
برابر حصّہ لیتا رہوں گا ۔ ممکن ہے لوگ اس پیش قدمی کا سبب
دریافت کریں ۔۔۔۔۔۔۔ لیکن میرے پاس اس کا کوئی جواب
نہیں ہے ۔

کل صبح سویرے نہ جانے کس بیدرد انسان نے انگور کے
درخت میں آگ لگا دی ۔ اُف ! میری طرح اس کا سینہ بھی جل
کر راکھ ہو گیا ۔ وہ بھی سُرخ سُرخ انگارے کا لقمہ بن گیا ۔

بلند و بالا آسمان اب روتے روتے خاموش ہو گیا ہے لیکن آنکھیں اب تک ڈبڈبائی ہوئی ہیں ۔ شاید پھر روئے گا ۔ اور وہ کوئل جو شاخ پر بیٹھی ہے نہ جانے وہ بھی کس کے بروگ میں آنکھیں سُرخ کر رہی ہے ۔ کس کے غم میں "کو ہو ، کو ہو" کا دردناک گیت صبح کی بھیگی ہوا میں بکھیر رہی ہے ۔ شوکنو ندی کے اس پار شہنائی کی راگنیاں تیرتی ہوئی نظر آرہی ہیں ۔۔۔ میں دیکھ رہا ہوں زندگی کا اتار چڑھاؤ ۔

ان مناظر قدرت کو دیکھ کر میں بول اٹھا "حنا ! امیر کی مانند میں بھی جنگ جُو بنوں گا ۔ اور میدانِ جنگ سے پھر واپس نہیں آؤں گا۔"

وہ میری آغوش میں گر کر بولی "سہراب ! میرے پیارے جاؤ ۔ آج میں اپنے محبوب کے دل کو تڑپانا نہیں چاہتی ۔ جاؤ ، فی امان اللہ !"

آہ ! تم میری روح ہو ، جان ہو ۔ میں نے دیکھ لیا افغانی عورت کتنی دلیر اور بہادر ہوتی ہے ۔ تمہارے حوصلے کتنے بلند ہیں ۔ کیا عورت کا دل اتنی مشکلیں برداشت کر سکتا ہے ؟

کابل !

میرے سینے کو اب تک پانچ گولیاں چھید چکی ہیں۔ لیکن میں وہی ہوں جو پہلے تھا۔ کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔

میں اپنے وطن میں صحیح وسالم پہونچ گیا ہوں۔ اور جیسے حنؔا کی پرچھائیں بھی میرے پیچھے پیچھے آرہی ہے ــــ حنؔا! کس طرح تم نے اتنے دنوں تک پہاڑ کی طرح اٹل ہوکر دامنِ محبّت استوار رکھا۔

بولو حنا! بولو!!

امیر نے مجھے اپنے مکان میں جگہ دی ہے۔ آج میں ان کے سپاہیوں کا سردار ہوں۔ اور حنا ــــ حنا!! یہاں بھی اس کا دل کیوں دھڑک رہا ہے۔ یہاں بھی وہ مجھے بیقرار کیوں کر رہی ہے۔

میں صحیح وسالم کیوں چلا آیا۔ مجھے تو اور گھائل ہونا تھا۔ اب نیند آرہی ہے۔ شاید اس طرح بارِ غم کم ہوجائیگا۔

حنا! حنا۔ نا ــ نا ــ نا ــــ آہ!

مهرنگار

ابتدائیہ

پیارے دیکھو پوس آگیا
اور دریائے اشک برف بن کر سیماب کی طرح ٹھٹھر رہا ہے
پوس آگیا —
آگیا، آگیا راحتِ جان
حسین تاروں کے ٹیکے کا نقاب پہن کر وہ دیکھو اُفق بعید میں استادہ ہے

پیارے پوس آگیا، پوس آگیا۔
تھکی ماندی سانسیں ہسسکیوں اور آہوں کی الوداعی راگنیاں
چور چور ہو گئیں — آہ،
جاگ مسافر، جاگ، دیکھ ابھی کتنی دور جانا ہے۔
آ، سیاہ آنکھوں کی المناکیاں دھو ڈال!

مہرنگار

جہلم!

بانسری کی راگنیاں فطرت کے کلیجے میں نشتر چبھو رہی ہیں، اور

میرے چشمِ دل سے درد کے آنسو چھلک رہے ہیں۔ ہم دونوں کی

کنارہ کشی اس دن ہوئی جب بیساکھ کی اندھیری شام کو درد انگیز

موسیقی کی سانس اکھڑ چکی تھی۔ ہم دو دلوں کے اندر آنسوؤں کی جلتی

لڑیاں قبر بنا چکی ہیں، وہ بانسری کے ان ہی سُروں سے فضا کی لامحدود

پہنائیوں میں تڑپتی رہتی ہیں ۔ اور پھر دور تک پھیلے ہوئے میدان میں وہی چیخیں اور لڑیاں بازگشت کرتی سنائی دیتی ہیں ۔

جب اپنی کوئلیا کو تلاش کرتے کرتے کوئل کی آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں اور قطرہائے اشکِ سیال آتشیں بن کر بہہ رہے تھے اس دن کوئلیا کو احساس ہوا تھا کہ اس نے اپنے محبوب کی کتنی دل آزاری کی ہے ۔ اس کے دل کو کتنا رنج پہنچایا ہے ۔ ایک روز آم کے درخت کی نازک شاخ میں چھپ کر وہ کوک اٹھی " کوُ، کوُ، کو!!!"

یہ سُن کر بیچارہ کوئل تڑپ اٹھا اور جیسے اس کے خزاں رسیدہ چمن میں یکبارگی بہار کی ترنگیں ناچنے لگیں، وہ بھی چیخنے لگا ۔ چیختے چیختے اس کا حلق بیٹھ گیا ۔ تاہم وہ صرف ایک امید کے سہارے چیختا رہا ۔ اس دلدوز چیخ کی ضرب شدید سے شام کی ہوا جہلم کی لہروں سے ٹکرا کر کانپتے کانپتے کہیں بھاگ گئی ۔

میں نے آواز دی " مہر نگار !" مگر اس کا جواب گھاس کے گھنے جنگل سے صرف اس قدر آیا ! ـــ

"آ ـــ ر !" اور جہلم کی تیز لہروں کی سطح سے ایک چیخ اٹھی ۔ پھر وہی چیخ ہانپتی ہوئی گونج اٹھی " مہر ـــ نہیں ـــ اور !"

مغرب میں آفتاب کی چتا روشن ہوئی ۔ پھر بجھ گئی ۔ بانسری کی درد انگیز راگنی بھی خاموش ہوگئی ۔ لیکن میرے کانوں میں اس قدر آواز سنائی دیتی رہی "آہ ۔ آہ !"

میں اپنے دل کی چنگاریوں کو دبا کر آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے خشک کر کے خوشی کی بھیرویں الاپتے جانے لگا ۔ مجھ جیسے بد نصیب کی طرح ہزاروں لاکھوں کے قدم اسی راہ سے گذرتے ہیں ۔ میں بھیرویں کے سُروں میں ڈوبا ہوا جا رہا تھا جاتے جاتے میں نے دیکھا کہ میرا ایک دوست طنبورا لئے کھڑا ہے ۔ اس نے ہنس کر پوچھا "کیوں اختر ! شام کی اس بڑھتی ہوئی تاریکی میں بھیرویں کے راگ سے تمہیں کیسی خوشی مل رہی ہے ۔ آخر تم میں اتنی تبدیلی کیوں ہوگئی " اس وقت میری آنکھوں سے چند قطرے نکل رہے تھے ۔ لیکن میں نے لبوں پر تبسم لاتے ہوئے کہا "بھائی ! تمہارے راگ کا وقت ختم ہوگیا ۔ میرا نہیں " اس نے جواب دیا ۔ " لیکن یہ تو بتاؤ تمھاری ہنسی آج اتنی تلخ کیوں ہے " یہ سن کر میں الٹے پاؤں واپس چلا گیا ۔

نئی نویلی دلہن کی طرح شام نے اپنے چہرے پر سیاہ نقاب ڈال دیا ۔ اسی وقت آسمان کی لامحدود پہنائیوں میں ایک آوارہ

تارے نے شام کو گھیر کر کہا "شام رانی! اتنی شرم اور لاج کس پر؟ یہ سیاہ گھونگھٹ کیوں؟ دیکھو چاند دیوتا کی آمد کا وقت ہو گیا" یکایک بیچاری شام کے مُنہ پر ہلدی کی ایک لکیر کھچ گئی۔ اور چہرہ گلنار ہو گیا۔ چاند شرابی کی طرح نشہ میں مخمور خراماں خراماں نمودار ہوا۔ آتے ہی اس نے شام رانی کا گھونگھٹ کھول دیا۔ شام لجا سی گئی۔ ایک پنچھی جو درخت کی آڑ میں چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ چیخ اٹھا "چھی، چھی!" اس کے بعد چاند اور شام ایک دوسرے کے ساتھ بغل گیر رہے۔ شام رانی کے گالوں میں چاند کے حسین بوسوں کی لکیریں شعاعِ نو بن کر جھلملا رہی تھیں۔ اس حسین لمحہ میں صرف بے شرم تارے کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

میں اپنی اُداس اور سنسان کُٹیا میں واپس آگیا۔ چاند کی ضیا باریاں پورے شباب پر تھیں اس لئے میں نے شمع روشن نہیں کی۔ اور اگر شمع روشن بھی کرتا تو شاید اسی کے اندھیرے سے' اندھیرے اور روشنی میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی تاریک روشنی گھر کے اسی کونے کے لئے ہے جہاں میں نے اسے رکھ چھوڑا ہے صرف اس کا دھواں میرے چاروں طرف بل کھاتا رہے گا۔۔۔ اُف! اتنی تاریکی! ہر وقت ہر ساعت اسی کے ساتھ میری انجمن

سجتی ہے۔ یہی میرا جلیس ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا کبھی نہیں افسوس میں نے روشنی کے لئے اپنی زندگی کی بہترین ساعتیں گنوا دیں!

میں نے کہا "مہرنگار! مجھے تم سے محبت ہے۔ ایک بار تم بھی اقرار کرلو ورنہ میری زندگی تلخ ہو جائیگی۔ تم میری ہو، صرف میری! اگر ایسا نہیں ہے تو بتاؤ فطرت کی ان نتھری ساعتوں میں تمھیں میں نے کیسے پہچان لیا۔ تم ہی میرے خواب کی رانی ہو۔ ہاں تم میری ہو میری!"

یہ سن کر وہ چلتے چلتے تھم گئی۔ اور اپنی کاجل بھری آنکھوں سے اس نے مجھے اس طرح دیکھا جیسے نرگس آفتاب کی شعاعیں دیکھ کر کانپ جائے۔ کلسی کو کندھے پر رکھ کر وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ پھر بولی "تم پاگل ہو"

میں نے آنسوؤں کو پپوٹوں میں پیوست کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں!"

یہ سن کر اس کی آنکھوں سے بھی دو تین قطرے ٹپک پڑے۔ پھر جاتے ہوئے بولی۔

"اچھا، میں تمھاری ہوں"

ایک غیر فانی خوشی کے نشے میں میں بہت دیر تک مدہوش رہا
جب چونکا تو دیکھا وہ دور بہت دور چلی گئی تھی۔

میں نے دوڑتے دوڑتے پکارا "مہر نگار!" لیکن کوئی جواب
نہ ملا۔ وہ داہنی بغل میں کلسی دبائے بھاگی جا رہی تھی۔ یہاں تک
کہ اپنے مکان کے زینے پر چڑھ گئی۔ چڑھتے چڑھتے اس نے اپنا
پاؤں دھویا۔ اور پانی تھرکتے تھرکتے میری آنکھوں سے دور چلا گیا
ساتھ ہی یہ آواز سُنائی دی "چھی! گلی کوچے میں اس طرح نام
لیکر پکارنا کہاں کی انسانیت ہے۔ لوگ کیا خیال کریں گے؟" یہ
سن کر میں جانے لگا۔ راہ الٹی سیدھی تھی۔ ٹھوکر لگی اور منہ کے
بل گر پڑا۔ ناک سے خون کی دھاریں بہنے لگیں۔ میں نے بائیں ہاتھ
سے خون کو روکتے ہوئے کہا: "آہ! اب اس طرح سرِ راہ نہیں
پکاروں گا نہیں نہیں۔"

میرے درد دُکھ کو شام نے سمجھا۔ وہی شام جس کی آنکھیں
روشنی دیکھ نہیں سکتیں۔ کتنا اچھا ہوتا اگر میں بھی جنم کا اندھا ہوتا۔
ہم انسانوں کے لئے یہ کتنا ظلم ہے کہ ایک بار روشنی دیکھنے کے بعد
فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

میں نے شام سے دامن کشی کرنے کی جو سوگند کھائی تھی،

وہ حباب آسا ٹھہری۔ اب میں اُسے نہیں چھوڑ سکتا۔ اسے چھوڑ کر ہی تو میں نے سینے کے اندر ایک نیا داغ پیدا کرلیا ہے۔ اُف!

اس دن پو پھٹتے ہی جہلم کے ساحل پر پھر اس سے ملاقات ہوئی۔ وہ تنہا ندی میں نہانے آرہی تھی۔ اس کے سر کی سیاہ چمکیلی لٹیں اور فیروزی رنگ کا دوپٹہ مجھے بیکل کر رہا تھا۔ اور دور بہت دور درخت کی چھاؤں میں گڈریئے کا چھوکرا یہ راگ الاپ رہا تھا۔

گوری دھیرے چلو گگری چھلک نہ جائے۔

سر پہ گگری، کمر میں کلسی۔

پتری کمریا تیری لچک نہیں جائے۔ ہا! ٹوٹ نہیں جائے

گوری دھیرے چلو.....!

مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ گلنار ہو گیا جیسے سیندور کی لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔ پھر شرم و حجاب سے لچک کر مجھ سے گویا ہوئی "چھی، چھی! ہٹو بھی یہ کیسی بدحواسی ہے"

میں نے دلدوز آواز میں کہا "مہرنگار!"

وہ میرے منتشر بالوں، خاک سے اَٹے ہوئے جسم اور بوسیدہ لباس کو دیکھ کر کھڑی رہی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی "اچھا میرا نام مہرنگار ہے، تمھیں کیسے معلوم ہوا؟ تم نے مجھے اس نام سے کیوں

پکارا ؟ وہ تمھاری کون ہے ؟" میں نے محسوس کیا کہ یکایک اس کی آواز خوف اور ڈر کے مارے چکنا چور ہو گئی ۔ جیسے چوڑیوں کی جھنکاریں فضا میں کپکپی پیدا کر دیتی ہیں ۔ اس کی سانس پھولنے لگی ۔ اور سینہ دھڑک اٹھا ۔ چاروں طرف آہستہ آہستہ کہر سا چھانے لگا ۔ میں نے کچھ جرأت کی اور اس کے پاؤں کو پکڑ کر کہنے لگا ۔ آہ ! تو کیا تم وہ نہیں ہو ۔ نہیں ، نہیں تم ہی میری مہر نگار ہو ۔ وہی حسین روپ ، وہی سحر انگیز نگاہیں ۔ وہی محبت ، وہی گفتگو ۔ سب کچھ تو وہی ہے ۔ مجھے اور دھوکا نہ دو جان ! تم وہی ہو ۔ تم وہی . . . . "

اس نے پوچھا "تم نے مہر نگار کو کہاں دیکھا تھا ؟"

میں نے جواب دیا " میں نے اُسے خواب میں دیکھا تھا " یہ سُن کر یکایک اس کی حسین شکل میں جیسے ہزاروں مشعلوں کی روشنیاں منتشر ہو گئیں ۔ اور جھرنے کی مانند قہقہے لگاتی ہوئی بولی " بتاؤ تم شاعر ہو یا مصوّر ؟ "

میں نے فوراً کہا " مجھے مصوری پسند ہے لیکن مصور نہیں ہوں میں نظمیں لکھتا ہوں مگر شاعر نہیں " یہ سنکر وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی ۔

میں نے پھر کہا "مہرنگار تم بہت شریر معلوم ہوتی ہو"
وہ بولی :- "اچھا اب میں نہیں ہنسونگی ــــ لیکن تم کس چیز سے متاثر ہو کر نظمیں لکھتے ہو؟"
میں نے کہا "محبت سے!"
وہ لجا سی گئی "پھر بولی "وہ کون ہے جس کی محبت میں ڈوب کر نظمیں لکھتے ہو؟"
میں نے سبز گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا "تم ہو مہرنگار۔ تمھاری محبت میں ڈوب کر نظمیں لکھتا ہوں" یہ سُن کر شرم کے مارے دوپٹہ کھینچنے لگی۔ اور چہرہ شفق کی طرح بالکل سُرخ ہو گیا۔ پھر کلسی کو سنبھالتے ہوئے بولی :-
"کب سے تم نے شاعری کا آغاز کیا ہے؟"
میں نے کہا "جس دن میں نے تمھیں خواب میں دیکھا تھا"
کچھ پرے ہٹ کر بولی "تم یہاں کیا کرتے ہو؟"
میں نے کہا "موسیقی سیکھتا ہوں"
وہ بولی "کہاں؟"
میں نے کہا "خانصاحب کے پاس"
وہ تبسّم آمیز الفاظ میں بولی "ایک دن میں تمھارا گیت سنونگی۔

سناؤ گے نا ؟" پھر جاتے جاتے پیچھے گھوم کر بولی "تمھارا مکان کہاں ہے ؟"

میں نے کہا "وزیرستان پہاڑ پر !"

یہ سن کر اس کے آنسو آ گئے۔ پھر غمگین لہجے میں بولی "تو کیا تم اس دیس کے نہیں ہو۔ یہاں نئے نئے آئے ہو"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "ہاں میں پردیسی ہوں۔ وہ چُپ چاپ چلی گئی۔ اس وقت میرے گلے میں درد سا محسوس ہونے لگا۔ میں نے گھاس پر لیٹتے ہوئے اُسے پھر پکارا۔ یکایک زمین پر اس کی کلسی گرنے کی آواز آئی۔ اور غمگین آواز میں گرج کر بولی "اس طرح مجھے نہ پکارو" میں نے دیکھا اس کے دونوں رخساروں سے آنسوؤں کے قطرے گر رہے ہیں۔

اس دن میں نے بہتیری کوشش کی کہ عمدہ سُر میں راگ چھیڑوں لیکن ناکام رہا۔ میرے سُر نے کبھی مجھ سے بیوفائی نہیں کی تھی۔ ہمیشہ اچھے اچھے سُروں میں میں نے راگ چھیڑا۔ جب بچّے کے آنسو کسی صورت نہیں تھمتے ہیں تو ماں جھلّا کر اس کے گالوں پر طمانچہ رسید کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح میں نے موسیقی کے اوزار کو

غصہ میں چھیڑنا شروع کیا۔ مگر ایک ہی وقت میں ہزاروں اقسام کے راگ پیدا ہونے لگے۔ استاد جی میری اس پریشانی کو انگوری شراب کے نشہ میں کھو کر دیکھ رہے تھے۔ پھر ہنستے ہنستے کہنے لگے "کیوں اختر آج تیری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟ اگر دل کا تار درست نہیں تو تار مضراب کیسے درست ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت تو سبھوں پر روشن ہے۔ مجھے دے، میں سُر نکالتا ہوں۔"

استاد جی نے فوراً ایک رنگین اور دلکش سُر پیدا کیا۔ پھر ساز میرے ہاتھوں میں دیکر اور کباب کو ٹکڑے کرتے ہوئے بولے "میاں اختر! ذرا باگیسری تو الاپو۔ یہی وقت ہے۔" مگر آہ اس روز میری آواز دکھ درد سے بھرائی ہوئی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اپنے تمام سُروں کو دریائے جہلم کی تیز خرام لہروں میں غرق کر دیا ہے، کیونکہ جب بھی میں نے گانے کی کوشش کی میرے حلق بر اگنی بیٹھ جاتی۔ اور دل دھڑک اٹھتا۔ یہ دیکھ کر استاد جی نشہ میں جھومتے جھومتے بولے "اختر! آج تجھے کیا ہو گیا ہے۔ لا، مجھے دے۔" اور پھر انھوں نے باگیسری اس انداز سے الاپنا شروع کیا کہ ساری فطرت لہرا اٹھی۔ میں نے استاد جی کا راگ نہیں سُنا۔ میرا دل بس وہیں تھا جہاں خواب کی دیوی کے ساتھ

ملاپ ہوا تھا۔

آہ! خواب کے اس احساس میں کتنی تلخ مٹھاس ہے۔ دل میں ہزاروں بار یاد آنے پر بھی دل کا بار ہلکا نہیں ہوتا۔ پیاس کی جولانیاں ختم نہیں ہوتیں۔ اے میرے خواب کی دیوی! تم نے میرے گلے میں پیاس کا یہ کیسا ہار ڈال دیا ہے۔ وہ کانٹا جسے تم نے دل میں پیوست کر دیا تھا آج یک کر سارے جسم کو بیکل کر رہا ہے۔ پھولوں کی لڑیوں سے گوندھا ہوا تمھارا وہ آسمان اور خوشبوؤں سے معطّر تمھارا وہ دیس کہاں ہے۔ ہزاروں مشعلوں سے بھرا ہوا تمھارا وہ محل جہاں تم پردوں میں سُرخ رنگ لگا کر زمین کے جگر میں چھاپ دے جاتی تھیں، وہ کہاں پوشیدہ ہے؟ بتاؤ رانی!"

آہ خواب کی یہ تصویر کتنی حسین اور امیدوں سے بھرپور ہے!

اس دن شام کو گشتی کے بعد تھک تھکا کر بچھونے میں لیٹا ہی تھا کہ فوراً نیند آگئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری آنکھوں کے پپوٹوں میں مہرنگار کی سہاگ رات کا سارا خواب اُتر آیا ہے۔ اور جیسے اس کے حلاوت بخش بوسے کی تھرتھراہٹ سے میرے

خفتہ احساس میں پھریری آگئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یکایک میں چونک اٹھا اور دیکھا کہ جہاں دریا اور آسمان ایک دوسرے کو بوسہ دینے میں مصروف ہیں وہیں ایک مینا بدوش حسینہ بانسری کی حسین لے سے کھیل رہی ہے ۔ برف کے کلیجے میں جس طرح پورنماشی کے چاندکی حسین وجمیل روشنی بہت دلآویز معلوم ہوتی ہے ۔ وہ حسینہ بھی اسی طرح چاندنی کی لہروں میں تنہا راگنی کی سحر انگیز تانوں سے مدہوش ہے ۔ اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے بلایا ۔ اور یکایک میری آنکھوں سے خواب کا رنگین پردہ ہٹتا نظر آیا ۔ پھر اس کے بعد میرے کانوں میں بانسری کی تھرکتی ہوئی راگنی آہستہ آہستہ سنائی دینے لگی ۔ وہ کہہ رہی تھی ۔ "وہ جو چاند کی سیمیں شعاعیں دریا کی لہروں میں جھلمل کر رہی ہیں وہیں میری کٹیا ہے ۔ یہیں میں بانسری کی لے سے کھیلتی ہوں ۔ یہیں میرے جذبات کے شعلوں سے تمھاری بانسری کا بھی ملن ہوتا ہے ۔ اور اس وقت میرے دل وجگر میں کیسی تڑپ ہوتی ہے ۔ میں نہیں کہہ سکتی ۔ ایک بار پھر سورج کی آخری کرنوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہم دونوں ملیں گے ۔ ساتھ ہی ہماری ملاقات کا وہ وقت بھی آئیگا جب لال لال شعاعیں مشرق سے جھانکنے لگیں گی ۔ اور کہیں دور بہت دور کوئی ہجر کا ستایا ہوا

محبت کا الوداعی راگ چھیڑ رہا ہوگا"

میں نے بیکل ہو کر اس کا آنچل پکڑتے ہوئے پوچھا "کیا سچ مچ تم خواب کی رانی ہو"

وہ بولی "مجھے پہچان نہ سکے ؟ اختر! میں وہی تمھاری مہر نگار ہوں"

میں نے غم آلود آواز میں کہا "تم نے مجھے کیسے پہچانا مہر نگار؟ — مجھے تو ایسی امیّد نہ تھی۔ آہ پھاگن کے اس حسین منظر میں دو روحوں کی یکایک ملاقات — کیا تمھیں بھی مجھ سے محبت ہے؟"

اس نے اپنے نازک ہونٹ کو جنبش دیتے ہوئے کہا "نہیں، نہیں میں تمھیں کیسے پہچان سکوں گی۔ میں تو صرف اس ہلکی ہوا میں مل کر ہر جگہ جاتی ہوں۔ کل بھی جب میں اس راہ سے گذر رہی تھی میں نے سُنا کہ تم میرے لئے بانسری سے سحر آلود راگ کی تخلیق کر رہے ہو اسی لئے میں تمھارے پاس چلی آئی۔ اختر! میں صرف تمھاری ہوں۔ میرے ساتھ محبّت کا راگ کوئی بھی الاپے یا میرے روپ کا خریدار بن کر کوئی بھی آئے میں کسی سے محبت نہیں کر سکتی۔ تم مجھ پہ بھروسہ رکھو اختر"

میرا خواب ٹوٹ گیا۔ کوئل نے چیخنا شروع کیا "اوہو —

اُو " پپیہے کی آواز آئی " پیہو پیہو " بلبل نے شور مچایا " نہیں ، نہیں " اور پھر حنا کی خوشبو میں لپٹی ہوئی ہوا آہ کھینچ کر چلی گئی " ہو ، ہو ، ہو "

جس شاخ کو اپنی گرفت میں لانے کے لئے میں گیا تھا وہی شاخ ٹوٹ کر میرے سر پر گری ۔ اور میں ناامیدیوں کے سیاہ بادل میں گھر کر صرف موسیقی کو اپنا سہارا سمجھا ۔ اور اس دن سے میری موسیقی میرے جگر کے ہر تار رگ میں جھنکار پیدا کرنے لگی ۔ لیکن آہ میں پتھر جیسے دل اور پہاڑ کی طرح سخت سینے کو اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی نرم نہ کر سکا ۔ کبھی کبھی میں مایوس ہو کر یہ پکار اُٹھتا ہوں ۔ مہر ، وزیرستان پہاڑ میرا ہے ۔ اس پہاڑ کی بلند و بالا چوٹی پر جب میں تمھیں لے جاؤں اور اس کے ہزاروں سنگریزوں سے میرا دم نکل جائے تو سمجھوں گا کہ میری یہ موت سُکھ کی موت ہے ۔۔۔ جہاں ابدی اور لازوال موسیقی ہر وقت بازگشت کرتی رہتی ہے ۔ یہی موت مجھ بدنصیب کے کاروانِ حیات کو شانتی دے سکتی ہے ۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں جس کی آنکھیں میری لاش کے سامنے ماتم کریں گی ۔ میں صرف تمھاری موجودگی محسوس کرسکوں گا ۔ جس کی چھاتی صرف دھڑکتی رہے گی ۔

اور سر کی سیاہ لٹیں منتشر ہو جائیں گی۔ یہی تو میری روح کے لئے باعث سکون ہے۔ آہ کیا ایسا سہانا وقت کبھی نہیں آئے گا۔ کبھی نہیں!

ایک بار پھر شام سے کچھ قبل اس کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس وقت جھینگروں کی جھیں جھیں ہنگامہ ریز تھی۔ اس نے ٹھیک دوشیزۂ خواب کی طرح ہاتھ کے اشارے سے بلایا "ذرا یہاں آؤ"

میں نے کہا "مہرنگار! کیا خواب کی باتیں سچی ہوتی ہیں؟"

وہ بولی "کیوں؟"

میں نے اسے اپنا وہی خواب سنا کر کہا "اس دن صبح کے وقت تم ہی نے اپنا جلوہ دکھایا تھا۔ اور نام بھی بتایا تھا۔ کیا تم میری نہیں؟"

اس کا دل دھڑک اٹھا اور سانس پھولنے لگی۔ پھر بولی۔ "سنو اختر! میں مہرنگار نہیں ہوں۔ میرا نام گلشن ہے"

میں نے کہا "نہیں، نہیں تم مہرنگار ہو۔ میں تمھیں مہرنگار ہی کہہ کر پکاروں گا"

وہ بولی "اچھا تمھیں اپنا وہ وعدہ یاد ہے۔ آج اپنا گیت سناؤ گے نا؟"

میں نے کہا "پہلے تم گاؤ میں سنوں گا"

بمشکل وہ گانے لگی ؂

فراقِ جاناں میں ہم نے ساقی لہو پیا ہی شراب کر کے
تپِ الم نے جگر جو بھونا وہ ہم نے کھایا کباب کر کے

"اُف مہر نگار! میں نہیں سمجھا تھا کہ تمھاری چھاتی کے اندر اتنی بیقراریاں ہیں۔ بند کر دا اپنا یہ ساز۔ مجھ میں سُننے کی تاب نہیں۔ اچھا اچھا ٹھہر لو اب میں تمھیں اپنا گیت سُناتا ہوں۔ سنو!

حیات موت سے بدتر ہے پھر بھی زندہ ہوں
مری طرح کوئی مجبورِ زندگی نہ رہے

وہ فرطِ غم سے میری زبان بند کر کے بولی "نہیں، نہیں ایسا ساز نہ چھیڑو" قدرے توقف کے بعد پھر گویا ہوئی "کیا اسی غمناک راگ سے تمھیں راحت ملتی ہے اختر؟" میں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ اور پھر دوسرا راگ چھیڑنے لگا۔

عنقا ہے میرے واسطے راحت جہان کی
سوزِ دروں سے بانسری بجتی ہے رات دن

وہ ہنستے ہنستے کہنے لگی "کیا درحقیقت تمھیں مجھ سے محبت ہے۔ نہ جانے کیوں میرا دل آج اس حقیقت کو جاننے کے لئے بیقرار ہو رہا ہے۔ بولو اختر!" یہ کہہ کر وہ میری گود میں سرنگوں ہو گئی۔ یکایک

چاند کی تمامتر شعاعیں سیاہ بادلوں کی آڑ میں چھپ گئیں ۔ میں نے غم کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا "کیوں ؟"

اس نے اپنی آنکھوں پر آنچل ڈالتے ہوئے جواب دیا "دیکھو اختر! مقدس چیز کی پوجا مقدس چیز ہی کرسکتی ہے۔ جس راہ میں گناہ کی معصیت آلود شکل چھپی ہوتی ہے وہاں نیکی کو تلاش کرنا دانشمندی نہیں ۔ اگر پجاری گناہ کو لیکر نیکی کی خواہش کرے گا تو اس کا انجام ہلاکت ہے۔ بالکل اسی طرح تمھاری محبت آئینۂ حقیقت کی طرح صاف و شفاف ہے ۔ اسی لئے میں نہیں چاہتی کہ تمھاری اس محبت کو اپنی ناپاک زندگی سے برباد کر ڈالوں ۔ آہ اختر! مجھے تم نہیں جانتے ۔ نہیں جانتے کہ اس شہر میں جو خورشید جان نامی طوائف ہے میں اسی کی لڑکی ہوں " یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوگئی ۔ اس کا پورا جسم کانپنے لگا پھر بولی "حُسن فروش عورت کی میں لڑکی ہوں ۔ ناپاک اور بے شرم میں اپنے کو سر سے پیر تک گناہ کی زندگی میں لپٹی ہوئی دیکھ رہی ہوں میرا جسم کاٹ کر دیکھو ۔ اس سے سرخ سرخ خون نہیں نکلے گا بلکہ سیاہ اور نیلے رنگ کے قطرے جمے ہوئے نظر آئیں گے ۔" میں نے دیکھا اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں ۔

بچھو کے شدید ڈنک کی طرح میں نے اپنی چھاتی میں عجیب قسم کی

بے چینی محسوس کی ۔ میں نے سوچا جس پھول میں خوشبو نہیں جس کے اندر حُسن و جمال نہیں اُسے ہم بُری نظر سے کیوں دیکھیں ۔ اسے مُجرم کیوں ٹھہرائیں ۔ اگر اس کا کوئی مجرم ہے تو وہ عرشِ معلیٰ کا خالق ہے ۔ میں نے زخمی شکار کی طرح تڑپ کر کہا: "نہیں نہیں مہر نگار تمھارا کوئی قصور نہیں ۔ کیا تم ان گناہوں کا کفّارہ نہیں دے سکتیں ۔ کیا تمھارا جسم اور تمھاری روح بلوریں شیشے کی طرح صاف نہیں ہو سکتے ۔ مہر نگار ! تمھیں تو مجھ سے سچّی محبّت ہے ۔ میں نے اس حقیقت کو قبل سے سمجھ لیا ہے ۔ اور پھر ان دو دلوں کے علاوہ دنیا کی کون شے ہے جو اسکی اصل کو جان سکے ۔ کوئی نہیں ۔ جانتی ہو مہر ! جب محبّت کی روح رونے پر مجبور ہو جاتی ہے اس وقت اس کی ہنسی اور حقیقت کی بلندی کو تم نہیں سمجھ سکتیں ۔ اسے دیکھ کر زمین کے باشندے سوچتے ہیں ۔ اب ان دو محبت کے دیوانوں کی جُدائی ضروری ہے ۔ لیکن کیا تم کبھی یہ خیال کر سکتی ہو کہ محبّت آسمان کی لامحدود چوٹی پر گامزن ہو کر زمین کی گہرائی تک پہونچ جائیگی ۔ کبھی نہیں ۔ محبّت تو ان باتوں سے لاپروا، اوپر ہی اُٹھتی رہے گی ۔ نہیں مہر نگار ! تمھیں میری رانی بننا پڑے گا۔"

یہ سُن کر وہ میرے قریب تر ہو گئی ۔ پھر لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہنے لگی "تم نے ٹھیک کہا ہے اختر! میری زندگی کی بہار روٹھنے کے لئے

بہتیرے آئے اور خوشامدیں کیں، لیکن کسی دن بھی میری آنکھوں سے اس طرح آنسو نہیں بہے۔ جو بھی میرے سامنے پھولوں کی مالا لیکر آتا میں سمجھ جاتی ـــ کہ اس کو مجھ سے کتنی محبت ہے۔ وہ مجھے کتنا پیار کرتا ہے۔ لیکن اس وقت جب اُن گئی گذری کہانیوں اور مٹی ہوئی باتوں کو یاد کرتی ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ میں نے کتنی بھول کی۔ اختر جس دن تم نے مجھ سے آکر کہا "تم میری ہو" اس دن نہ جانے کس کشش کے زیر اثر دل کے تمام تار جھنجھنا اٹھے۔ اور آواز آنے لگی "ہاں ہاں پیارے میری تمام چیزیں تمھاری ہیں"

یہ آواز سُنکر نہ جانے خوشی و مسرت کی کونسی لازوال لہریں جسم کے روئیں روئیں میں سما گئی تھیں۔ وہ دن میری زندگی کا سب سے سہانا اور رومان پرور تھا۔ کیا ایسی ساعت انسان کی زندگی میں بس ایک بار آتی ہے ـــ میں اب تک اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اختر! اتنے دنوں کے بعد میں نے تمھیں حاصل کیا تھا اور اب تم ہی سے الگ ہو رہی ہوں۔ میرا شیشۂ دل چُور چُور ہو رہا ہے سینہ پھٹا جا رہا ہے ـــ تاہم تم سے جُدائی اختیار کرنی ہی ہو گی۔ میں نہیں چاہتی کہ جس سے محبت ہے اسی کا وقار برباد کر ڈالوں۔ محبت کی ناقدری مجھ سے نہیں کی جاتی۔ ہم عورتوں کو محبت کی خاطر زندگی قربان کرنا ہی

پڑے گی۔ اُف تم میری راہ میں کیوں آئے اختر! کیوں تم نے میری خفتہ محبت کو اپنی محبّت کی بانسری سے جگا دیا۔ تمھاری محبّت سے الگ ہو کر بھی سکون نہیں مل سکتا۔ تاہم ہم دونوں کو ایک دوسرے سے الگ ہونا ہی پڑے گا۔ جس دل کے اندر محبّت جلوہ گر ہے وہیں خواہشات کی چنگاریاں نمودار ہوتی ہیں۔ ہمارے نسوانی دلوں میں یقین کا مادہ ہی نہیں۔ کیونکہ یہ نہایت ہی نرم اور نازک ہوتے ہیں۔ ذرا سی ٹھیس سے فوراً ٹوٹ جاتے ہیں۔ کسے معلوم ہم عورتیں کب تحت الثریٰ سے نکل کر بامِ عروج پر پہونچیں گی۔

بس بس پیارے اب میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتی۔ مجھے جانے دو شاید اب ہم کبھی نہیں مل سکیں گے۔ اگر اتفاقاً نظریں چار ہو بھی گئیں تو سُن لو آخر ہم دونوں اسی جگہ ملیں گے جہاں آسمان اور سمندر بغل گیر ہوتے ہیں۔ اچھا پیارے الوداع!" یہ کہہ کر اس نے میرے جلتے ہوئے گالوں کا بوسہ لیا اور آناً فاناً چلی گئی۔

یکایک آندھی آئی سَن سَن سَن! اور میرے کلیجہ میں جیسے ہزاروں تیر پیوست ہو گئے۔ میں اشک ریز آنکھوں اور مغموم دل کے ساتھ چلا آیا۔ واپسی میں لوحِ دل پر صرف ایک ہی بات نقش ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اور وہ تھی خواب کی دیوی کی آخری بات۔ آہ! اس نے کہا

تھا: ہماری ملاقات آسمان کے اس طبق میں ہوگی۔ اور پھر کسی کی وداعی بانسری کا راگ دور دراز سے بہتا ہوا سنائی دیگا"

اچھا ہوا۔ خوب ہوا۔ بہتر ہوا!

اتنے دنوں کے بعد نہ جانے مجھے کیوں احساس ہوا کہ اس بدنصیب کو ایک بار دیکھنے جاؤں۔ کیوں نہیں میرا احساس زائل ہو جاتا۔
میں گیا اور دیکھا کہ اس کی کُٹیا میں خاک جم گئی ہے اور جنگلی پودے اُگ آئے ہیں۔ ہر طرف بیوہ عورتوں کی آہ وشیون اور گریہ دزاری برپا ہے۔ اور — اور اُف! وہ کیا۔ گھر کے آنگن میں کس کی قبر ہے؟ کون ہے جو یہاں اس سنسان جنگل میں محوِ خواب ہے۔ کس کے ماتم میں جنگل کی پتیاں سوکھ سوکھ کر گرتی جا رہی ہیں۔ میں آگے بڑھا اور دیکھا قبر کے سرہانے یہ الفاظ کندہ ہیں:۔
اے مسافر! اگر اس راہ سے تیرا گزر ہو جائے تو مجھے دیکھ کر آنکھیں نہ چُرا لینا۔ مجھے صرف ایک قطرۂ آنسو کی ضرورت ہے۔ نہیں معلوم میرا جسم پاک ہے یا گندہ۔ لیکن میں بہانگِ دُہل کہتی ہوں کہ مقدس محبت کا نقش میرے جگر میں منقوش ہے۔ اگر تم بھولے بھٹکے میری راہ میں آجاؤ تو ماتم نہ کرنا۔ مجھے اس سے بہت دُکھ ہوگا۔ اور یہ

تو میں جانتی ہوں کہ ہم جہاں بھی رہیں گے ملاقات ضرور ہو گی۔ کیونکہ دُنیا کے اندر ہم کبھی چھپ نہیں سکتے۔

بدنصیب گلشن!

میری آنکھوں سے آنسو گر کر حروف کو اور بھی اُجاگر کر گئے۔

اسی وقت نہ جانے جہلم کے اس پار کون بانسری سے یہ راگ الاپ رہا تھا۔

اگر میں باغباں ہوتا تو گلشن کو لٹا دیتا
پکڑ کر دستِ بلبل کو چمن سے جا ملا دیتا

میں سوچنے لگا: "ناممکن ہے۔ بالکل ناممکن۔ تمھیں خدا نے اس کی قوت نہیں دی۔ اور جسے یہ قوت ملی وہ کبھی اپنی زبان سے ایسا نہیں کہہ سکتا۔ اگر تمھیں ذرا بھی اس بات کا احساس ہے تو ایسا راگ کبھی نہ چھیڑنا"!

لیکن مجھے — مجھ بدنصیب کو یہ راگ ہمیشہ تڑپاتا رہا اور شاید میں ہمیشہ تڑپتا رہوں گا۔

خلاء

خلاء

بیرپھوم!

آج میری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں ۔ حیات وممات کی خار دار شاخوں سے الجھنے کے لئے آگ اور خون کے بھیانک میدان میں ہمارے بھائی پیش قدمی کر رہے ہیں ۔ خاکی پوشاک کے اندر صرف آگ کی لال لال تصویریں دیکھ رہا ہوں ۔ اور ان کے گلے میں پھولوں کے ہار لہرا رہے ہیں ۔ ان ہاروں میں ہماری ماں کے دل وجگر کے ٹکڑے گندھے ہوئے ہیں ۔ ہمارے بھائی کی دعائیں سمائی ہوئی ہیں ۔ اور

ہماری بہن کے آنسوؤں کے شفاف قطرے روشن ہیں۔
پھول کے یہ ہار کتنے جانفزا ہیں ــــ ان کے اندر دکھ کی کتنی شیرینیاں روپوش ہیں۔ لیکن آہ! کوئی میرے دل سے پوچھے، تو میں کہوں گا جنہیں تم پھول سمجھ رہے ہو درحقیقت وہ پھول نہیں ہیں ــ وہ تو ہماری ماؤں اور بہنوں کے خشک آنسوؤں کی بوندیں ہیں۔
آج ان سپاہیوں کی خاکی پوشاک صبح برشگال کی سیمیں شعاعوں میں کتنی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔ اور بارش کی ان بوندوں کو دیکھ کر مجھے خیال ہوتا ہے کہ ہماری ہی پلکوں کے موتی ہیں۔ برسات کی بوندیں اور ماں کے الوداعی آنسو ــــــ ان دونوں میں کتنا اتصال ہے۔
لیکن وہ سب داغِ مفارقت دے گئے۔ یکے بعد دیگرے ٹھیک آسمان کی سنہری گود میں مچلنے والے ان تاروں کی طرح جو آہستہ آہستہ ایک ایک کرکے دم توڑ دیتے ہیں۔
آہ! اس وقت کی تصویر کشی میں کس طرح کروں جب جوان امیدیں بھوک کی خاطر اپنے اپنے عزیزوں سے بچھڑ رہی تھیں ــــ بنگال کا آسمان اور بنگال کی ہوا آنسوؤں کے سیلاب میں جیسے ڈوب

گئی تھیں۔

نہ جانے ان بدبختوں میں سے پھر کون آگ اور خون سے بچ کر واپس آئیگا۔ کس کی بھوکی آنکھیں اور مرجھائے ہوئے دل پھر وطن کو لوٹ آئیں گے۔

ناشور!

ماں آخر تم مجھے کیوں روک رہی ہو۔ کیوں تم آگ کی لپکتی ہوئی چنگاریوں کو محبت کی بھاری بھرکم چٹانوں سے دبا دینا چاہتی ہو۔ اچھا ماں! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، بولو گی؟ بولو کیا تم کسی بی۔ اے پاس لڑکے کی ماں بننا چاہتی ہو؟ یا بہادر لڑکے کی؟ بولو اس گونگے اور بزدل دیس میں کتنی مائیں ہیں جنھوں نے بہادر بچے جنم دیئے۔ جواب دے سکتی ہو۔ اگر نہیں تو پھر مجھے روکتی کیوں ہو؟ میرے پتھر جیسے دل کو اپنے نرم و گداز آنسوؤں سے باندھنا کیوں چاہتی ہو؟ تم اپنے جنم کے پاگل بچے کو چھوڑ دو!

آج مجھے جنگ میں جانے کا حکم ملا ہے۔ اور میری آنکھیں خوشی سے جھوم رہی ہیں۔ ٹھیک اس پنچھی کی طرح جس کا دل پنجرہ کاٹتے وقت ایک عجیب خوشی سے دوچار رہتا ہے۔ ماں! آخر الوداعی گھڑی میں

یہ آنسوؤں کی جھڑی کیوں : میں جا رہا ہوں مجھے جانے دو۔ سکون
دو ماں !
جب آسمان کی چھاتی کے تمام گرد وغبار بارش کے قطروں سے
دُھل جاتے ہیں اس وقت اس میں کتنی دلکشی آجاتی ہے ۔ کتنا بھلا
معلوم ہوتا ہے میں بھی اپنی زندگی کی تمام تر آلائشوں کو دھو رہا ہوں
تاکہ مجھے مستقبل میں کوئی سکون ملے ۔ مجھے معلوم ہے کہ ماں کی منتیں
کچلی جا رہی ہیں ۔ ان کی بوڑھی امیدوں پر ناامیدیوں کی ضرب لگائی
جا رہی ہے ۔ تاہم میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں ۔ آج مجھے تمام لوگ
ہدفِ لعنت بنا رہے ہیں کہ میں ماں کو تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں ، ان کے
خیال میں یہ بہت بڑا گناہ ہے ۔ لیکن میں ان نادانوں کو کیسے بتاؤں
کہ میرا یہ فیصلہ محبت کو اور مضبوط کر دیگا ۔

سالار !
رہ رہ کر میرے دل میں وہی تصویریں منقوش ہو جاتی
ہیں جب میں سبھوں سے وداع ہو رہا تھا ۔ اتنا بھیانک اور اداس
منظر میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا ۔ سوچتا ہوں آخری ملاقات
میں دل کے کتنے نازک شیشے آن کی آن میں ٹوٹ جاتے ہیں ۔ کتنی

آرزوئیں راکھ ہو جاتی ہیں۔ اور کتنے آنسو خون میں منجمد ہو جاتے ہیں۔

ایک عجیب آفت میں جان تھی۔ میں نے جنگ میں جانے کی کیا ٹھانی لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ جنھوں نے مجھے سو بار دیکھا تھا وہ بھی دوبارہ سے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ شب و روز بس یہی چرچا تھا کہ میں جنگ میں جا رہا ہوں۔

بوڑھے، جوان، بچے سب مجھے روزانہ اداس اداس اور غمگین نظروں سے دیکھتے اور چلے جاتے۔ راہ چلتا تو انگلیاں اٹھتیں۔ اور ایک دوسرے سے کہتے "دیکھو، دیکھو یہی خوبصورت جوان جنگ میں جا رہا ہے!"

خدا خدا کر کے لوگوں سے رہائی ملی ـــ ان لوگوں سے جن کے اداس چہروں میں جنگ کی تصویریں ناچ رہی تھیں۔ جنگ میں جانے سے قبل یہ جنگ! للعجب!!

سب سے زیادہ ہجوم ہوڑہ سٹیشن پر تھا۔ اُف! ہم سپاہیوں کے چہرے دیکھنے کیلئے لوگوں میں کتنا اضطراب تھا۔ کتنی گھبراہٹ تھی جن لوگوں سے میری شناسائی بھی نہیں تھی ان کی آنکھیں بھی شبنم فشاں تھیں۔ اور لرزتی ہوئی آوازیں "خدا حافظ" کہہ رہی تھیں۔

ریل گاڑی! صبح کا وقت!!

پانی سے دُھلا ہوا یہ آسمان کتنا خوبصورت ہے۔ کتنی حسین ہے یہ خاموش صبح! ساری فطرت خواب سے جاگ کر اب انگڑائیاں لینے کو ہے۔ اُفق کے کنارے گلابی تار کے جال کتنے بھلے معلوم ہو رہے ہیں۔ اب کچھ دیر بعد شفق کی ان سُرخیوں سے آفتاب کی تخلیق ہوگی۔ اور ساری دُنیا پھر اپنے دھندے میں مصروف ہو جائیگی۔ پھر وہی چیخ و پکار، وہی شور و غل!

احساس ہوتا ہے کہ سارا ملک اپنے اپنے خواب استراحت سے اب بیدار ہو رہا ہے۔ اور اداس نیند سے بوجھل آنکھیں وسیع آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔

کسی ماہر طبلچی کی مانند ریل گاڑی بھی اپنا طبلہ بجاتے ہوئے پیش قدمی میں مصروف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آواز میں بھیرویں کے سُر ملے ہوتے ہیں۔ مگر آہ اس وقت اس کے ساتھ ساز چھیڑنے کی آواز کہاں سے لاؤں۔

مدھو پور!

آفتاب صبح کی سیمیں شعاعیں چہرے پر پڑ کر کسی نئے دُکھ کا آغاز

کر رہی ہیں۔ ہمارے چاروں طرف سپاہی محوِ خواب ہیں۔ یہ روپہلی کرنیں ان کے معصوم چہرے پر کتنی بھلی لگ رہی ہیں۔ مگر یہ کیا ان کی آنکھوں میں اب تک آنسوؤں کے قطرے جھلک رہے ہیں۔

آج نہ جانے کیوں میرے دل میں اس حسینہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس وقت چاروں طرف کچھ تاریکی اور کچھ روشنی نظر آرہی ہے۔ وہ دن بھی ٹھیک آج ہی جیسا تھا۔ وہ مجھ سے کبھی کچھ نہ بولی اور نہ بول سکی میں بھی کچھ نہ کہہ سکا۔ لیکن نہ جانے کس طرح ہمارے دلوں نے ایکدوسرے کی پوشیدہ باتیں معلوم کرلی تھیں۔ اُف! جوانی کی پہلی منزل میں محبت کا یہ لمس کتنا پائدار ہوتا ہے۔ آہ! اس دن بھی میں کچھ نہیں کہہ سکا جب میں اس کی شرابی آنکھوں سے غروبِ آفتاب کی طرح بڑی سرعت سے بھاگا جارہا تھا۔ صرف آنسو کا ایک قطرہ پلکوں میں تھرتھرا رہا تھا۔ وہ بھی کچھ نہ بولی۔ جب تک میں مکان میں رہا وہ صرف اشک ریزی میں مصروف رہی۔ اور اس دن جب میں جُدا ہو رہا تھا وہ دیوار کے ستون سے لگ کر کس طرح غم کا اظہار کر رہی تھی۔ ماں نے میرے دُکھ کو تاڑتے ہوئے کہا:۔

"میرے لال جاؤ۔ جاؤ رفیقہ کو ایک نظر دیکھ لو۔ رو رو کر وہ اپنی جان دیدیگی"۔ مگر میں نے مُنہ پھیر کر جواب دیا "امّی! میں نہیں جاسکتا

رفیقہ کے پاس!"

لیکن آہ! آج مجھے رفیقہ کا وہی گیت اور وہی سُریلی تانیں یاد آرہی ہیں :-

"اسی سُنہرے آسمان کے زیرِ سایہ ہم دونوں میں ملاقات ہوئی تھی۔ آنکھیں نیچے جھکی تھیں اور زبان ساکت! پھر قدم کو حرکت ہوئی۔ اور وہ چلی گئی۔ اس حسرتناک منظر کو دیکھ کر ننھے ننھے شگوفے گرنے لگے اور ہوائیں آہیں بھرنے لگیں۔ دونوں کی پوشیدہ باتیں دل ہی دل میں دفن ہوگئیں۔ اور دل کی آرزوئیں آنکھوں کی راہ بہہ گئیں۔ اس کے بعد اور ملاقات نہ ہوئی۔ زندگی کا وہی اکیلا پن چیونٹی کی طرح کاٹنے لگا۔ آہ جمنا کنارے جدائی کا وہ المناک منظر—"

آج کی صبح میں کتنی اُداسی ہے۔ اور شبنم کی بوندیں گھاس پر اس طرح چمک رہی ہیں جیسے کسی دوشیزہ کی مخمور پلکوں میں آنسوؤں کے جمع شدہ شفاف قطرے!

گاڑی جارہی ہے۔ اس کی سیٹیاں کتنی بھیانک معلوم ہورہی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی بدنصیب گرجا کی گھنٹیاں بجانے میں

مصروف رہتا ہے ۔

نزد لاہور ۔ نصف شب !

خوفناک آندھی کی طرح گاڑی بھاگی جا رہی ہے ۔ چاروں طرف دھوئیں کے بادل پھیلے ہوئے ہیں ۔ تاریکی ۔ گہری تاریکی ۔ اندھیرا ہیبت ناک اندھیرا !!

۔ نصف شب کی تاریکی کی طرح میرے احساسات بھی تاریک ہو چکے ہیں ۔ میرا باطن بیکل ہوتا جا رہا ہے ۔ اور تصورات کے پردے چاک چاک ہو رہے ہیں ۔ میں کہاں جاؤں ، کدھر جاؤں ۔ یہ بھیانک رات ، درختوں کی گھنی شاخیں اور ریل کی خوفناک چیخیں ۔ میرے سارے ساتھی محوِ خواب ہیں ۔ ان کے کپڑے خاک آلود اور تار تار ہیں ۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہیں اور چہرہ غم سے ڈھلکا ہوا ہے ۔ اب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا ۔ کاش کوئی میرے سینے میں چھری بھونک دے ۔ میری آنکھیں نکال لے ۔ میرا احساس نہ جانے کیوں مجھے بار بار اسی راہ میں گھسیٹ لاتا ہے ۔

مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ساری دُنیا کسی بچے کے سوگ میں ماتم کناں ہے ۔ اور ہواؤں میں یہ چیخیں منتشر ہو رہی ہیں ۔

"اُف اُف ، اُف ! یہ ریل بھی اس غم آلود منظر کا ساتھ دیتی جا رہی ہے۔

نوشہرہ !

آؤ میرے گونجنے اور بہرے ساتھیو آؤ ۔ آج کتنے دنوں کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے ملے ہیں۔ تمھاری یاد اور تمھارا خیال میری شہ رگ کے بالکل قریب رہتا تھا ۔ آؤ ، آؤ !!

آہ کتنی روشنی ہے ۔ مگر یہ کیا ؟ یہ کس کا خیال ہے جو رہ رہ کر میرے جگر میں خلش پہنچا رہا ہے ۔ یہ کس کی آنکھیں ہیں جو مجھے حسرت سے گھور رہی ہیں ۔ لیکن اب اس سے جُدائی اختیار کرنا ہی ہوگی ۔ مدت کے اس بندھن کو کاٹنا ہوگا ۔ لیکن کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے ۔ کیا میں رفیقہ کی یاد فراموش کر سکتا ہوں ــــ اُف کتنا المناک خیال ہے یہ ؟

ضمیر نے کہا :۔ ہاں اب دلوں کی باتیں دلوں کے اندر رکھنی ہی ہوں گی ۔ محبت کی داستانیں چھیڑنے کا یہ وقت نہیں ہے ۔ اندر اور باہر جلتے روحان پرورش پا رہے ہیں انھیں ریگستانی میدان میں تبدیل کر دینا ہوگا ۔ جانتے ہو پھر اس کے بعد کیا ہوگا ــــ ؟

ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ایسی دُنیا ہوگی جہاں محبّت کی حکومت ہوتی ہے ۔ صرف محبّت کی —— !

بہتوں نے اپنی قیمتی زندگیاں تباہ کر ڈالیں ۔ لیکن کیا دل کے اس مخفی راز کو الگ نہیں کر سکتے ۔ بہرکیف تمھیں ناممکن کو ممکن کرنا ہی ہوگا ۔ اگر تم میں اتنی ہمت نہیں ہے تو پھر آسمان کی لامحدود وسعت میں کیوں بھاگ رہے ہو ۔ جس دل کے اندر خواہشات اور تمنّائیں پرورش پاتی ہیں اسے اپنے کو بہادر کہتے لاج نہیں آتی ؟

آج تصوّر میں ماں اور بھابی مجھے حسرت آگیں نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں ۔ ان کے لب کچھ کہنے کو تھرتھرا رہے ہیں ۔ ان کی اوٹ میں ایک پری چہرہ شبنم فشاں آنکھوں سے دیکھ کر یہ کہہ رہی ہے " پیارے مت جاؤ ، مت جاؤ جانِ تمنّا " لیکن ضمیر کہہ اٹھتا ہے " تمھیں جانا ہی ہوگا ۔ سنگدل بن جاؤ ، کٹھور بن جاؤ "

ہاں ، ہاں اے دل سخت ہو جا ، پہاڑ کی طرح اٹل ۔ آج تمہاری آزمائش کا دن ہے ۔ آج کابل کے اس دریا کی تیز خرام لہروں میں محبّت کی تمامتر رنگینیاں غرق کر دینی ہونگی ۔

کردستان !

آج ایک سال کی طویل مدّت کے بعد نہ جانے کیوں میرا دل بے اختیار چیخ رہا ہے۔ آخر دل کے ساتھ یہ جنگ کیسی؟ ظاہری جنگ سے باطن کی جنگ کتنی بھیانک اور ہولناک ہوتی ہے۔ جنگ کے فاتح بہتیرے ہو سکتے ہیں لیکن من کا فاتح کون ہو سکتا ہے۔ بتاؤ کوئی مجھے بتاؤ۔ میں ان گتھیوں میں کب سے الجھا ہوا ہوں۔ میرے دل کے اندر یہ کیسا ہنگامہ برپا ہے۔ یہ ہنگامہ نہ تو مسرت کے لئے ہے نہ تشنگی کی تکمیل کے لئے۔ نہ آسودگی کی خاطر اور نہ محبّت کے واسطے۔ نہیں مجھ سے اتنی بڑی قربانی نہیں ہو سکتی۔ میں اس قدر کٹھن آزادی نہیں چاہتا۔ تاہم نہ جانے کیوں پتھّر کی طرح سخت چھاتی میں کسی کے تصوّر کی روشنی دل کو چھو جاتی ہے۔ اُف! صرف چھو جاتی ہے اور خاموش۔ تاہم میرا مغرور دل بولنا نہیں چاہتا کیونکہ روشنی کا ایک یہی ذرّہ میرا اپنا سب ہے۔

آج اس عربی فطرت کی آغوش میں فضا کتنی حسین اور محبوب معلوم ہو رہی ہے۔ کاش اس وقت میں سرزمینِ وطن میں ہوتا اور وہاں کی فضا بھی اسی طرح عروسِ نو بن کر ظاہر ہوتی۔ شاید دُنیا کے کسی گوشے میں یہاں جیسی جُھلسا دینے والی گرمی نہیں ہوگی۔ چاندنی رات میں میری تصویر کو دیکھ کر کوئی یقین نہیں کریگا کہ درحقیقت یہ میری

تصویر ہے بلکہ یہ گمان ہوگا کہ موسم خزاں کے آفتاب کی سنہری روشنی ہے۔

آج میں ایک اور سخت مصیبت میں اسیر ہو گیا ہوں۔ نرگس کی کلیوں کی طرح رنگین، ایک بدوی حسینہ مجھے اپنی گرفت میں لئے بیٹھی ہے۔ اور کہہ رہی ہے کہ مجھے اس کے ساتھ شادی کرنی ہوگی آخر یہ کیسی زبردستی ہے۔ میں جتنا بھی انکار کرتا ہوں وہ اور اصرار کئے جاتی ہے۔ کہتی ہے اس کے دل میں میری بہت زیادہ محبت ہے۔ اور میں کہتا ہوں مجھے اس سے کوئی محبت نہیں ہے۔ میں اس کی جس قدر منت وسماجت کرتا ہوں کہ مجھے چھوڑ دو۔ وہ قہقہہ لگا کر کہنے لگتی ہے " مجھے تم سے گہری محبت ہے۔ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے " اُف! کتنی زبردستی ہے یہ!

کربلائے معلیٰ!

سامنے میدان میں گھمسان کا رن پڑا تھا۔ جس کا نام سن کر مسلمان مردوں اور عورتوں کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور دل اُمنڈ آتے ہیں۔ اس سرزمین میں آکر ہزاروں سال قبل کی تصویریں میری آنکھوں میں پھر جاتی ہیں۔ جب بہادر نوجوان ہنستے ہنستے شہید ہو جاتے

تھے۔ دریائے فرات آج کس شان سے بہہ رہا ہے جس کے ایک قطرہ
پانی کے لئے دودھ پیتے بچے اصغر نے باپ کی گود میں تیر کھا کر پیاسی
بھری آنکھوں سے دیکھ کر دم توڑ اتھا۔ نہ جانے فرات کی آغوش میں کتنے
نوجوانوں کے مقدس خون ملے ہوئے ہیں۔

بہت دور تک پھیلے ہوئے آسمان کی طرح ریگستان اپنا ریت بھرا
آنچل پھیلاتا ہوا چلا گیا ہے اور دو چھوٹے چھوٹے معصوم بچے پیاس
سے بیقرار ہو کر ماں، ماں کہتے ہوئے فرات کی طرف بڑھ رہے ہیں۔
ان بھیانک مناظر کو دیکھکر آنکھوں کے سامنے کربلا کی ایک دلدوز تصویر
گردش کر رہی ہے۔

اس دن بدوی حسینہ سے پھر ملاقات ہوئی۔ آخر وہ کیوں
میری راہ میں خلل انداز ہو رہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ فرات کے
کنارے کنارے عربی گھوڑے پر چڑھ کر عربی گیت گاتی ہوئی آرہی
ہے۔ اس کی آواز کتنی درد ناک ہے جو میرے جگر میں تیر کی طرح
پیوست ہو جاتی ہے۔

میں نے کہا "حچی گل! آخر یہ کیسی بدحواسی ہے۔ میرے دل میں
محبت کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ پھر محبت کروں تو کیونکر" وہ ہنستی اور
خاموش رہی۔ میں نے پھر کہا "سنو! مجھ سے محبت کرنے کا نتیجہ کوئی

حق نہیں ہے"۔ یہ سُن کر وہ اپنی نرم و گداز انگلیوں سے مجھے چھوتے ہوئے بولی: "اگر حق نہیں ہے تو میں تم سے محبت کیوں کر رہی ہوں؟"
کیا اس کے بعد بھی اس حسین دوشیزہ سے کوئی گفتگو ہوئی؟

عزیزیہ!
کتنے دنوں بعد یہاں پہنچا۔ لیکن گل بھی یہاں پہونچ گئی۔ سنتا ہوں اس دیس کی دوشیزائیں بالکل آزاد ہیں کسی کی غلام نہیں۔
ایک بار جس سے محبت ہوتی ہے اس کو رہتی زندگی تک نہیں بھلاتیں یہی درحقیقت سچی محبت ہے۔ اس کے اندر مجاز کا گذر نہیں۔ مگر میں تو اسے نہیں چاہتا۔
کل جب گل میرے سامنے گھوڑا دوڑاتے ہوئے جا رہی تھی اس وقت اس کی نرگسی آنکھیں جیسے کسی نامعلوم درد سے کانپ رہی تھیں۔ اور اس کی آواز ریت کے ذرّوں سے ٹکرا کر چلی آ رہی تھی: "بہت دغا دی تو نے ظالم!"
میں نے کہا: "میرا کاسۂ گدائی تو بالکل خالی ہے۔ تمہیں دے کیا سکتا ہوں؟"
وہ گھوڑے سے اتر پڑی۔ پھر اس نے اپنے فیروزی رنگ کے

دوپٹے کو سر پر رکھتے ہوئے کہا "تمھارا کاسۂ گدائی میں بھر دونگی"
میں نے جواب دیا "نہیں یہ تم سے نہیں ہوسکتا"
وہ بولی "جھوٹے ـــــ بے رحم!"
آہ گل! تم نے میرے دل میں یہ کیسی نئی برچھی چبھو دی ہے۔ کیوں تم نے میرے پتھر جیسے دل کو اتنا نرم کر دیا۔ آہ!
اے آسمان کے آزاد پرندو! کدھر پرواز کرتے جا رہے ہو۔ کچھ خبر بھی ہے آؤ ذرا میری اس سنہری زنجیر کو کاٹ دو۔

بسنت کی آخری نصف شب کو!
اب میرا دل نہ جانے کیوں کھنچا کھنچا سا رہتا ہے۔ اور آنکھوں کے قطرہائے اشک رونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ آزادی کی یہ خوشی غلامی سے زیادہ یاس آگیں ہے۔ میری زندگی ایک خلاء ہے جہاں اُداسی اور سنسان ریگستان پھیلا ہوا ہے اور سراب صحرا کی جھلک نمایاں ہے۔
صبح مجھے ایک خط ملا جس میں تحریر تھا کہ رفیقہ کسی کے گھر کی زینت بن چکی ہے۔ آہ! اپنے دل کی وہ المناک کیفیت کیسے بتاؤں کہ اس منحوس خبر کو سُن کر میرا ظاہر و باطن کتنا بیکل ہوگیا تھا۔ اس دن سے میں برابر اپنی زندگی میں ایک خلا محسوس کر رہا ہوں۔ تمام دنیا میری نظروں

بن سونی بن گئی ہے ۔ تصوّرات کے پردے چاک چاک ہو گئے ہیں ۔ میں بھلانے کی جتنی کوشش کرتا ہوں اتنی ہی اس کی یاد پریشان کر جاتی ہے ۔ آخر میں کیا کروں زندگی کی کونسی ایسی شاہراہ ہے جہاں محبّت اور نفرت کا وجود نہیں ۔ جہاں متضاد کیفیتیں نہیں ہیں ۔

رفیقہ ! بھول جاؤ ، خدا کے لئے مجھے بھلا دو ۔ میری تمام باتیں اور میرے تمام تصوّرات اپنے دل و دماغ سے یکسر نکال پھینکو ۔ سماج کی اس تاریک اور پُرپیچ راہ میں تم کیوں کسی کو اپنا بنانا چاہتی ہو ۔ سماج محبّت کی دشمن ہے ، قاتل ہے ، جلّاد ہے ۔ تم کیوں اس کی چاہ میں بیقرار ہو جبکہ پا نہیں سکتیں ۔ اُف ری اندھی تمنّا ۔ آج میرے دل و جگر کی بیقراریاں کوہِ آتش فشاں کے گرم گرم لاوے کی مانند تیر رہی ہیں ۔ اور آنکھوں کے آنسو سماج کی گندی راہ میں تھرتھرا رہے ہیں ۔

بھول جاؤ رفیقہ ! بھول جاؤ ۔ نئی خوشی کے لئے پُرانی خوشی کو بُھلا دو ۔ تمھیں کوئی حق نہیں کہ میرے ساتھ محبّت کا راگ الاپو ۔ اور نہ مجھے حق ہے کہ تمھاری یاد میں بیقرار رہوں ۔ شوہر کی محبّت سبھوں پر مقدّم ہے رفیقہ !

رات کا وقت تاروں کی حسین لڑیاں اور چاند کی ضوفشاں کرنیں

کتنی سُہانی معلوم ہو رہی ہیں۔ اس وقت وہی بھولی ہوئی باتیں میرے چاروں طرف آنکھ مچولی کھیلنے آتی ہیں۔ اور میں ساکت بُت کی طرح صرف ایک ٹک آسمان کی لامحدود پہنائیوں میں کھو جاتا ہوں۔

کل رات جب میں سنتری سے آنکھیں بچا کر ہاتھ میں ریوالور لئے سہما ہوا جا رہا تھا۔ یکایک میں نے اس کی بھاری آواز سُنی "ہالٹ!" پھر اس نے گرج کر کہا "کون ہے۔ کھڑے رہو" اس کے بعد اور کوئی آواز نہیں آئی۔ صرف خاموش ہوا کی سائیں سائیں سُنائی دے رہی تھی میں نے یکایک مُڑ کر دیکھا۔ ایک عربی دوشیزہ سُرخ لباس میں ملبوس سنتری کا ریوالور لئے بھاگی آ رہی ہے۔ اور سنتری بُت بنا دیکھ رہا ہے۔ میں نے اس کی طرف نشانہ کیا لیکن نشانہ خطا کر گیا۔ دوسری گولی چلانے والا ہی تھا کہ وہ میری طرف رُخ کر کے کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے سپاہی کی طرح اپنے ریوالور کا بولٹ بند کیا۔ پھر اسے پھینک کر زمین پر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ کر میرا جسم سہم گیا۔ اور کچھ دیر بعد جب ہوا کے جھونکے سے اس کا نقاب اٹھا۔ تو میں نے دیکھا کہ یہ وہی بدوی حسینہ گل ہے۔ اس کی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے رواں دواں تھے۔ اور سارا جسم نہ جانے کس دُکھ کے زیر اثر تھر تھرا رہا تھا۔ وہ اپنے دل کی باتیں آنسوؤں کی زبانی اس طرح ادا کر رہی تھی "ظالم اتنے دنوں

بعد تم دکھائی دینے "۔ اس کی اس تڑپ نے میری آنکھوں کے سنگریزوں کو اتنے دنوں کے بعد کاٹ ڈالا۔ اور آنسوؤں کے دو قطرے ڈھلک پڑے۔

پھر ایک مرتبہ میں نے دیکھا۔ خوبصورت آسمان کی جانب جہاں حسین تارے نور کی کشتیوں میں سنہرے راگ الاپتے ہوئے جا رہے تھے اور چاند ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ آج میں محبت کی قربان گاہ میں قربانی دوں گا۔ نہیں، نہیں، کبھی نہیں۔

میرا دل جلنے لگا۔ آنکھیں بیقرار ہوگئیں۔ میں نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ریوالور کو ہاتھ میں لیا اور یکایک نہ جانے کس شاخ سے کھڑکھڑ کرتے ہوئے یہ آواز آئی "گولی چلاؤ"

سن! سن!! سن!!! پھر ایک دردناک چیخ آئی "ماں! ماں!! ماں!!!"

میری زندگی کے پردے پر اندھیرا سا چھا گیا۔ اور دل کے ہر تار میں بیقراریاں ناچنے لگیں۔ پھر میں نے بڑی مشکلوں سے آنکھیں بند کر کے پکارا گل! گل!! گل۔ مگر آہ! اس کی آنکھوں کے لگاتار آنسو برسات کی بوندوں کی طرح چاروں طرف گر بن کر چھا گئے۔ پھر اس

نے تڑپ کر مجھے اپنی کانپتی ہوئی مٹھیوں میں جکڑ لیا ۔ اور بالکل قریب آ کر آہیں بھرنے لگی ۔ بہت دیر بعد آہستہ آہستہ اس نے اپنی پلکیں کھولیں اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی "آہ محبوب کے ہاتھوں محبوبہ کی موت کتنی حسین ہوتی ہے" لیکن میں چٹان کی طرح بجیں بیٹھا رہا ۔ وہ مسکرائی اور اس کی مسکراہٹ فضا میں مل گئی ۔ وہ مجھے اپنے نرم و گداز ہاتھوں کی گرفت میں لئے ہوئے تھی ۔ اور اس کی شبنمی آنکھیں ننھے شگوفوں کی مانند شگفتہ ہو گئی تھیں ۔۔۔ آخر وہ مجھ سے کیا چاہتی تھی ۔ آہ! اس کی کھلی ہوئی پلکیں ۔ کیا نسوانی زندگی میں کامیابی کی یہی منزل ہے؟ اور ایک بار میں نے غم سے نڈھال ہو کر پکارا "گل ، گل!" لیکن ہوا کے اندر ایک تلخ ہنسی پھوٹی اور یہ آواز آئی "بھول ، بھول ، بھول!"

ایک مرتبہ پھر سارے بادل منتشر ہو کر چاند کی روشنی کو اجاگر کرنے لگے ۔ میں گل کے جسم کو اپنی گرفت میں لیکر بھینچنے لگا ۔ اسی وقت ایک ادھیڑ بدذی عورت نے آ کر گل کو مجھ سے چھین لیا ۔ اور وہ چیخ چیخ کر رونے لگی ۔

"گل ، میری رانی ۔۔ گل!"

ادھیڑ عمر عورت گل کے جسم پر سر رکھے رو رہی تھی ۔ میں بے چین ہو گیا اور عالم بیہوشی میں یہ آواز نکل گئی "امی ، امی!!" ماں کی طرح

وہ میرے گالوں میں بوسے دیتے ہوئے بولی "بیٹا!" اور اس کے آنسوؤں کے کئی قطرے میرے سر پر آ گرے۔

پھر ایک بار میں پکار اٹھا "امی، امی، امی!" اور ایک گھٹی گھٹی سی آواز فضا میں تیر گئی "بیٹا!"

دور بہت دور ۔۔ پہاڑی کے اس پار سے کسی پاگل ماں کی آوازیں لرزتی ہوئی آ رہی تھیں "آہ، آہ، آہ!" ساتھ ہی عربی گھوڑے کے ٹاپوں کی صدائیں دوسری طرف ہنگامہ ریز تھیں "کھٹ، کھٹ، کھٹ"

کراچی!

ابر آلود شام! آج میں کنگال ہوں یا شہنشاہ؟ قیدی ہوں یا آزاد؟ آسودہ ہوں یا خالی؟ آج میں شام کی اداس گھڑیوں میں تنہا بیٹھا سوچ رہا ہوں۔ اور میرے سر کے اوپر لامحدود آسمان سے گاہے گاہے بارش کے سنگریزے گرنے لگتے ہیں "رم جھم، جھم!"

آہ میری زندگی کا یہ خلاء، کاش!!

قاضی نذرالاسلام اور ان کے افسانے

بنگال کے انقلابی ادیب قاضی نذرالاسلام اپنی ولولہ انگیز شاعری اور مجاہدانہ خیالات کی وجہ سے اُردو داں طبقے میں اچھی طرح معروف ہیں۔ یہ وہی بیباک شاعر ہیں جنھیں بنگال نے "بدروہی کوی" یعنی باغی شاعر کا خطاب دیا ہے اس لئے کہ ان کی معرکہ آرا نظم "بدردہی" بنگالی ادب کا ایک ایسا شہپارہ تسلیم کی جاتی ہے جس نے نذرالاسلام کو زندۂ جاوید کر دیا ہے۔ یہ نظم "باغی" کے عنوان سے ہماری زبان میں منتقل ہو چکی ہے۔ اور کون ہے جس نے اسے پڑھکر اس کے مصنّف کو خراجِ تحسین نہ دیا ہو گا۔ ہر چند کہ قاضی موصوف کی شاعری اس مضمون کا موضوع نہیں ہے۔ پھر بھی ذیل میں اس نظم کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے کہ دراصل اس نظم ہی نے ان کی عظمت کا ڈنکا بجایا اور ہر

وطن پرست کے دل پر ان کی جدّت طرازی، ترقی پسندی اور ان کے ادبی کمال کا سکّہ بٹھایا:-

کہہ دے اے نوجوان کہہ دے — کہ میں سر بلند ہوں
اتنا بلند کہ ہمالیہ کی چوٹی بھی میرے آگے سرنگوں ہے -
میں سرکش، سنگدل اور آتش زبان ہوں -
میں قیامت کا ندیم ہوں طوفان ہوں، تباہی ہوں، دہشت ہوں -
میں دنیا کے لئے سراپا ہلاکت ہوں -

کہہ دے، ہاں نوجوان کہہ دے کہ میں ہمیشہ سربلند رہوں گا -
میں باغی ہوں، مادرِ گیتی کی سرکش اولاد!
میری راہ میں جو چیز حائل ہوتی ہے اسے میں چُور چُور کر ڈالتا ہوں
اپنی خودی کے علاوہ میں کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا -
میں صورِ اسرافیل کی صدائے بازگشت ہوں -
قیامت کے دیوتا کا پرچم اور جبریل کا عصا ہوں -

کہہ دے اے نوجوان کہہ دے،
جب میں بگڑ کر اٹھتا ہوں تو آسمان کو ہلا دیتا ہوں اور دوزخ

بھی تھر تھر کانپنے لگتی ہے۔
میں شہابِ ثاقب ہوں، مریخ ہوں، دُمدار ستارہ ہوں زہریلے
ناگ کا من ہوں۔
میں اسی دن مطمئن ہوں گا جب مظلوموں کی فریاد فضائے
آسمانی میں نہ گونجے گی۔
جب میدانِ جنگ میں تلواروں اور خنجروں کے خوفناک ترانے
نہیں سُنائی دیں گے۔

اس اقتباس سے بہ آسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قاضی موصوف
کے فکر میں جس قدر بلندی اور سرگرمی ہے ان کے اظہار میں بھی اتنا ہی
جوش اور آگ بھری ہوئی ہے۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے
پتہ چلتا ہے کہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے جو امنڈ آیا ہے اور کوئی دم میں
تمام قیود توڑ دے گا۔ ایک کوہِ آتش فشاں ہے جس کا لاوا اپنی راہ
میں حائل ہونے والی ہر شئے کو ہلاک و برباد کر دے گا۔ ان کا کلام
خود مُنہ سے بولتا ہوا معلوم ہوتا ہے، کہ میرا خالق نڈر ہے، باغی
ہے جری ہے۔ اس کی آنکھوں میں شعلے لپکتے ہیں۔ اس کے دامن میں
بھٹیاں سلگتی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پلکیں غلاموں

اور بھوکوں کی تکلیف سے بھیگی ہوئی ہیں۔ ان کے لبوں پر بیکسوں اور مجبوروں کے لئے دردناک نالے ہیں۔

— لیکن یہ سب کیوں؟ کیوں وہ غریبوں کیلئے بیقرار اور وطن کی خاطر سر فروشی پر آمادہ ہیں؟ آئیے، ان کی زندگی کی ایک ہلکی سی تصویر دیکھیں جس کے نقوش مدھم ہونے کے باوجود صاف بتاتے ہیں کہ ان کی تخلیقات میں مظلوموں کیلئے ہمدردی اور ظالموں کیلئے دہشت کیونکر اجاگر ہوئیں؟

قاضی نذرالاسلام ۱۸۹۷ء میں بردوان کے ایک مفلوک الحال مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ گھرانا کسانوں کا تھا جو مالی مشکلات اور مختلف صعوبتوں میں مبتلا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور ان کی پرورش کا بار ان کی چچی نے اپنے ذمہ لیا، جن کی خوبیوں کا ذکر موصوف نے اپنی کتاب "باندھن ہارا" میں بار بار کیا ہے۔ فاقہ کشی کے باوجود انھوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ اور مقامی زبانوں کے علاوہ فارسی اور انگریزی زبانیں بھی سیکھیں بنگال چونکہ نغمات کی سرزمین ہے اس لئے سن شعور تک پہنچتے پہنچتے انھیں موسیقی میں بھی مہارت حاصل ہوگئی۔ کوئی اٹھارہ سال کی عمر

تھی کہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ چونکہ فطرۃً عسکریت پسند تھے اور عنفوانِ شباب ہی میں مایوسِ محبت بھی ہو چکے تھے اس لئے فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ چلے گئے، جہاں اپنے جوش و خروش کی وجہ سے ترقی پا کر حوالدار کے عہدہ تک پہونچے۔ ایامِ جنگ میں ان کا قیام زیادہ تر بلادِ عربیہ میں رہا۔ اور وہ ان ممالک کی معاشرت و سیاست سے کافی متاثر ہوئے۔ اس زمانہ کی یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان دنوں ان کی جوانی بہار پر تھی۔ رگوں میں عسکری خون اور دماغ میں گرم گرم ولولے تیر رہے تھے۔ چنانچہ دن بھر سپاہیانہ سرگرمیاں دکھانے کے بعد جب وہ رات کی خاموشیوں میں کسی خندق یا پڑاؤ میں لیٹے ہوتے تو کوئی اندرونی خلش انھیں بے چین کر لیتی اور وہ مضطرب ہو کر کروٹیں بدلنے لگتے۔ آخر ایک دن ان بیقراریوں اور شب بیداریوں کا نتیجہ نکلا اور وہ یہ کہ ان کی قلبی کیفیات اشعار کے قالب میں ڈھل گئیں۔ گویا وہیں میدانِ کارزار میں ان کی شاعری نے جنم لیا۔ ظاہر ہے کہ جس ادبیت کی ابتدا تیغوں کے سایہ میں ہوئی ہو وہ کس قدر پر جوش اور پُر زور ہو گی۔ اور چونکہ یہ شاعر ہر دم مفلسی اور مجبوری میں گھرا رہا اس لئے اس کے کلام میں بلا کی شدت اور اثر کا ہونا لازمی تھا۔ وہاں جنگی ماحول میں انھوں نے اپنے عزیز و اقارب کو جو خط لکھے آگے چل کر وہ "باندھن ہارا" کے نام سے شائع ہوئے

ہیں۔ اور ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وطن سے دور رہ کر انسان کس کس طرح انھیں یاد کرتا ہے۔ کس طرح ان کا سوگ مناتا ہے اور پھر ان سے ہم آغوش ہونے کے لئے کس قدر بیقرار رہتا ہے۔ "باندھن ہارا" کی بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نذر الاسلام کی ادبیت کی ابتدا نثر سے ہوئی۔ کیونکہ یہ کتاب صرف خانگی مکاتیب ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ ادبی اعتبار سے بھی پڑھنے کے لائق چیز ہے۔

میں نے ابھی کہا کہ نذر الاسلام کی شاعری نے وہاں جنم لیا جہاں گولیاں سنائی تھیں، جہاں خون اور موت کے نظارے ہوتے تھے یعنی جہاں سارا کا سارا گردوپیش جنگی تھا۔ نیز وہ اس وقت ایسے عہد میں سے گذر رہے تھے جسے ان کی عمر کا انقلابی دور کہنا چاہیئے۔ کہ ایک طرف وہ فاقوں کے ستائے ہوئے تھے۔ مالی اور معاشرتی مشکلات نے انھیں گھیر رکھا تھا۔ وطن سے دور رہ کر اس کی غلامی کا احساس اور بھی تیز ہو گیا تھا۔ اور دوسری طرف ان کے دل میں محبت کی ٹیسیں اٹھا کرتی تھیں۔ کوئی رہ رہ کر انھیں یاد آتا تھا۔ کسی کی وفا و جفا کا خیال انھیں تڑپاتا رہتا تھا۔ بہرحال ان سب باتوں کا نمایاں طور پہ اظہار شاعری کی صورت میں ہوا۔ اور جب وہ لام پر سے

واپس آئے تو ان کے ساتھ شاعری کا خاصا اچھا سرمایہ تھا۔ جس میں انھوں نے بعد میں بیش قیمت اضافہ کیا۔

نذر الاسلام کی شاعری دوسرے لوگوں سے بالکل جدا ہے فکر میں بھی اور بیان میں بھی۔ فکر کے لحاظ سے ان کا الگ مدرسۂ خیال ہے۔ کیونکہ وہ نئے انقلاب اور نئی تحریک کے علمبردار ہیں۔ طرز بیان میں وہ دوسرے شعراء سے اس لئے ممتاز ہیں کہ ان کے الفاظ، ان کی تراکیب اور ان کے کہنے کا ڈھنگ سکون پرور نہیں شرربار ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس انداز سے کہتے ہیں کہ سننے والا چونک پڑتا ہے۔ ان کے الفاظ میں اس قدر صوتی حسن بھرا ہوا ہے کہ ان کا مخاطب ان کی طرف متوجہ ہو کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ سکون و جمود کو پسند نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اپنے کلام کے ذریعہ اہلِ وطن کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی قوم کو اپنے معاشرتی اور تہذیبی زوال کا احساس کرا کے انقلاب کی دعوت دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب تک یہ مفلسی کی تاریکیاں، یہ فاقے، یہ بیچارگیاں یہ زبان بندی، یہ قید و بند، یہ پستی یہ ذلت اور یہ انسانیت سوز حالات دور نہ ہو جائیں قہر و جبروت بن کر ذرّے ذرّے کو تباہ کر دو۔ تمام نظام پاش پاش کر دو۔ مختصر یہ کہ ان کی شاعری

خواب آور نہیں ہے۔ بلکہ طغیان ہے، طوفان ہے جو دوسروں کو جھنجوڑ دیتا ہے۔

نذر الاسلام اپنی سچائی، آزادی اور انصاف طلبی کی وجہ سے بنگال کے ہر طبقہ میں عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں میں وہ یکساں طور پر مقبول و پسندیدہ ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کسی ادیب اور شاعر نے انسانی آزادی حاصل کرنے کے لئے بے شمار صعوبتوں اور مخالفتوں کے باوجود اس سچائی اور دیانت داری کے ساتھ جد وجہد نہیں کی جتنی کہ نذر الاسلام نے۔ انھوں نے جو اپنے پڑھنے والوں میں ذہنی انقلاب برپا کر دیا، انھوں نے جو تجدید کے نعرے لگائے، انھوں نے جو حکومت پر تنقید کی اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انھیں نہ صرف فوجی اعزاز اور پنشن سے محروم کر دیا جائے، نہ صرف ان کے کلام کے مجموعے ضبط کر لئے جائیں بلکہ انھیں بار بار زندان میں بند کر دیا جائے۔ لیکن ان کی سب سے بڑی بدقسمتی بلکہ جرم یہ ہے کہ وہ ہندوستانی ہیں۔ غلام آباد کے رہنے والے ہیں اور یہ بھی کہ مسلمان ہیں۔ جب ہی تو وہ اتنی زبردست اور عظیم الشان شخصیت کے مالک ہوتے ہوئے بھی مفلسی کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ فالج نے عرصہ سے

انھیں صاحبِ فراش کر دیا ہے ۔ اور کیا خبر وہ اب پلنگ سے کبھی نہ اٹھ سکیں ـــــ ان تمام اذیتوں کے باوجود ان کے خیالات میں تبدیلی نہیں ہوئی ۔ ان کا مطمح نظر اب بھی وہی ہے ۔ انقلاب ! تعمیری تخریب !! اور آشتی کے لئے جنگ !!!

ان کے سوانح حیات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ ایک سرفروش مجاہد ہیں جو سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں ۔ اور ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو کبھی اور کسی اسٹیج پر پہنچکر اپنے مسلک سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں ۔ اپنے نصب العین کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ۔ اور اذیتوں سے بچنے کے لئے عذر کا آسرا ڈھونڈ لیتے ہیں ـــ

نذرالاسلام نے شاعری کے ساتھ ساتھ دوسری اصنافِ ادب میں بھی بیش قیمت اضافہ کیا ہے ۔ چنانچہ نظموں کے متعدد مجموعوں کے علاوہ انھوں نے نثر کی بھی کئی کتابیں یعنی ناول ۔ ڈرامے ۔ افسانے اور ادبی مضامین کے مجموعے ترتیب دیئے ہیں ۔ ان تصانیف میں "اگنی بنیا" "باندھن ہارا" "مرتوکھدا" "بھاردان" "شر بوہارا" اور "سنچیتا" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ لیکن

فی الحال میرے پیش نظر نذرالاسلام کے صرف افسانے ہیں،
جنھیں جناب محمد یونس احمر نے اُردو میں منتقل کیا ہے اور جو
اس مجموعہ میں "طغیان" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے
ہیں۔

یہ افسانے پڑھکر مجھے بڑی حیرت ہوئی، اور خوشی بھی کہ نذرالاسلام
نے باغی جیسی شرربار نظمیں لکھنے کے علاوہ مہرنگار، حنا، اور ماجھی
ایسا گیت نہ گا جیسے دلکش رومان بھی لکھے ہیں۔ لیکن طغیان کے
افسانے قاضی موصوف کی نظموں کی طرح دوسروں سے بالکل مختلف
ہیں۔ ان افسانوں کی چند اپنی خصوصیات ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان
میں ہمیں گزشتہ جنگ عظیم کی عینی تصویریں ملتی ہیں اور دوسرے
محبت کی کامرانیوں اور حسرت نصیبیوں کا بیان۔ یہ افسانے کیا ہیں
ایک قلزم عشق ہے جس کی ایک ایک بوند میں بے پناہ عزائم اور
جذبات کروٹیں لے رہے ہیں۔ تیغ وسناں کی جھنکاروں کے
ساتھ ساتھ روح پرور گیتوں کے آبشار گرتے نظر آتے ہیں۔
ان افسانوں میں محض خیال و قیاس کا گذر نہیں بلکہ ان کا مسالہ
اپنے گردوپیش، اورحقیقت و اصلیت سے بنایا گیا ہے۔ ان افسانوں
کے پس منظر میں آپ کو غریبوں کی سماجی اور معاشی بنیادیں نظر آئیں گی

جو شکستہ ہو چکی ہیں۔ وہ زندگیاں ملیں گی جو موت اور بھوک کے تانے بانے میں الجھی ہوئی ہیں ــــ اور ان کے ساتھ عشق کی وہ دلفریب راگنیاں سنائی دیں گی جو حسن کی جھلک دیکھ کر فزوں سے فزوں تر ہو جاتی ہیں ۔ یہ افسانے آج سے قریباً بیس سال پہلے لکھے گئے تھے ۔ مگر عشق و رقابت کے علاوہ جس معاشرتی اور عسکری زندگی کی ان میں عکاسی کی گئی ہے اس کے نقوش اس خوبصورتی سے اجاگر کئے گئے ہیں جیسے وہ بالکل تازہ ہوں ۔ یہ اس لئے کہ انسانی آزادی کیلئے تڑپ اور غلامی سے نفرت ابھی تک ہمارے دلوں میں قائم بلکہ تیز تر ہے ۔ میں نے کہا تھا کہ ان افسانوں میں ہمیں جنگ عظیم کی عینی تصویریں ملتی ہیں ۔ کیونکہ لکھنے والا خود میدانِ کارزار کا سرگرم سپاہی تھا۔ ذرا میدانِ جنگ کی ایک تصویر ملاحظہ فرمائیے ۔ کتنی سچی، کتنی ہولناک ! :ــ

"اُف ! آگ اور خون کی لامتناہی بارش ! کتنی بھیانک آواز ! آسمان کی نیلی چھاتی کا پتہ تک نہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے آسمان میں آگ لگ گئی ہے ۔ بموں کے پھٹنے سے آگ کی چنگاریوں کی جس طرح بارش ہو رہی ہے ۔ اگر اسی طرح آسمان کی نیلی آنکھوں سے قطرے

گریں تو ساری دنیا غرقاب ہو جائے "

جنگ کی یہ ہولناکیاں اور تباہ کاریاں ــــ لیکن انسان انسان کے خون کا پیاسا، ایک دوسرے کا گلا کس سفاکی اور بے دردی سے دباتا ہے۔ ہائے اور واویلا کی لمناک چیخیں سپاہی کے پتھر جیسے دل کو گداز نہیں کر سکتیں ــ رائفل کی گولیاں جب انسان کے سینے میں چھید کرتی ہوئی نکل جاتی ہیں اس وقت موت و حیات کا سماں کتنا بھیانک ہوتا ہے "

(حنا)

ایک اور تصویر اتنی ہی خوفناک، اتنی ہی پُر صداقت :ــ

" اب خدا کی مخلوق کو رائفلوں اور مشین گنوں کا شکار بنایا جائے گا ۔ میرے کٹھور دل کی طرح یہ جنگ بھی انسانی زندگی کے لئے کٹھور ہے ۔ چیخ و پکار، درد و کرب، آہیں اور سسکیاں کٹھور دلوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں "

نذر الاسلام ایک فلاکت زدہ خاندان میں پیدا ہوئے جہاں فاقہ کشی روز و شب کا وظیفہ تھا ۔ یوں بھی بنگال کی

مفلسی اور قحط ضرب المثل ہو چکے ہیں۔ پیٹ کی خاطر انسان کیا کیا نہیں کرتا؟ حد ہے جان بوجھ کر موت سے ہم آغوش ہونے کیلئے فوج میں بھرتی ہو جاتا ہے۔ اس مجموعہ کے آخری افسانے "خلا" کا آغاز دیکھئے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے اس میں کس قدر کرب ہے، کس قدر دلدوز فریاد ہے:۔

"آہ! اس وقت کی تصویر کشی میں کس طرح کروں، جب نوجوان امیدیں بھوک کی خاطر اپنے اپنے عزیزوں سے بچھڑ رہی تھیں ـــ بنگال کا آسمان اور بنگال کی ہوا آنسوؤں کے سیلاب میں جیسے ڈوب گئی تھیں۔ نہ جانے ان بدبختوں میں سے پھر کون آگ اور خون سے بچ کر واپس آئیگا۔ کس کی بھوکی آنکھیں اور مرجھائے ہوئے دل پھر وطن کو لوٹ آئیں گے؟"

اس غلام آباد دلیس پر انھیں کتنا ترس آتا ہے۔ یہاں کے بزدل باشندوں پر وہ کس طرح جھنجلا اٹھتے ہیں اس کی جھلک بھی "خلا" میں دیکھئے۔ ایک آزادی کا خواہاں، وطن کا شیدائی جنگ پر جانے کے لئے مچلتا ہے۔ ممتا کی ماری ماں اسے روکتی ہے تو وہ کہتا ہے:۔

"ماں! آخر تم مجھے کیوں روک رہی ہو؟ کیوں تم آگ کی لپکتی ہوئی چنگاریوں کو محبت کی بھاری چٹانوں سے

دبا دینا چاہتی ہو؟ اچھا ماں! میں تم سے ایک بات
پوچھتا ہوں۔ بولو، تم ایک بی اے پاس لڑکے کی ماں بننا
چاہتی ہو یا بہادر لڑکے کی؟ بولو، اس گونگے اور بزدل
دیس میں کتنی مائیں ہیں جنھوں نے بہادر بچے جنم دیئے۔"

نذر الاسلام ظلم اور ظالم کا دشمن ہے لیکن وہ ان کو نیست و
نابود کرنے کے لئے نرمی اور خوشامد کا قائل نہیں۔ تشدد کو ملیامیٹ
کرنے کے واسطے عدم تشدد اختیار کر لینا اس کے نزدیک مہمل ہے۔
اس کی بجائے اس کا نظریہ یہ ہے کہ لوہے کو لوہے سے کاٹو۔ تعمیر کے لئے
تخریب پر آمادہ ہو جاؤ۔ اور ان خیالات کا اظہار آپ کو ان افسانوں
میں اکثر ملے گا۔ مثلاً :-

"آج میں بہت کٹھور اور ظالم بن گیا ہوں۔ کیونکہ میں
دُکھ اور درد کی خلش سے تڑپ رہا ہوں، وہ دُکھ جس نے
مجھے باغی بننے پر مجبور کیا ہے اور موجودہ شہنشاہیت سے
نبرد آزمائی کرنے پر ابھارا ہے۔ میں آج دریا کے بیکل
تھپیڑے کی مانند سخت چٹان کا کلیجہ چاک کرنے میں کامیاب
ہو گیا ہوں۔"

(سلاخوں کے پیچھے)

اور یہی محکم رائے، یہی بلند حوصلگی، یہی ایقان ایک اور جگہ طنز
کے ساتھ یوں جلوہ گر ہوتا ہے :-

"اے میرے مالک! میری ساری بلندیاں تیرے ہی
ہی لئے ہیں۔ تو نے ہی میرے دونوں ہاتھوں کو خالی اور
تنگ کر دیا ہے۔ تو نے ہی میرے سارے سہارے کو
میرے گھر بار کو ہوا کے شدید جھونکوں میں اڑا دیا ہے
۔۔۔ میری تمنائیں راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ میری محبّت کو
نفرت سے بدل دیا گیا۔ . . . لیکن اب ایسا نہیں ہو
سکتا۔ میں اپنے عزم میں اتنا ہی اٹل ہو گیا ہوں جیسے
پہاڑ کی بلند و بالا چوٹیاں۔"

(شعلے اور پھول)

رزم و بزم کے مناظر کے بعد، اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے
جنگ کی ہولناکیوں اور عزائم کی للکار کے بعد ان دلربا و دلکش افسانوں
کی بہار دیکھئے کہ وہ کس کس طرح محبت کی شدید و لذیذ کہانیاں سناتے
ہیں۔ یہ آٹھوں افسانے زندگی کی نیرنگیوں اور رنگینیوں کے دلنواز
مرقعے ہیں۔ ایسے رومان جن میں گھٹی گھٹی آہ و زاریاں اور زیر لب
سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں۔ جن میں چنچل دوشیزاؤں کی شوخیاں
اور عشق کرنے والوں کی تمنائیں مچلتی ہیں۔ ان رومانوں میں جذبات
کی اتنی گہرائی اور شدّت ہے کہ دوران مطالعہ میں کسی خارجی اثر کا
احساس نہیں رہتا۔ دراصل یہ افسانے خود نذر الاسلام کی آپ بیتیاں

ہیں اور انھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ محبّت کی چوٹ کس قدر جاں گسل ہوتی ہے۔ اور دل کے زخم انسان کو کتنا بے چین و بے قرار رکھتے ہیں۔ ان افسانوں کی ابتدا عمر کے اس حصّے سے ہوتی ہے جب مصنف تمنا کرتا ہے کہ :۔

"کاش کوئی کنواری دوشیزہ ہوتی جو شام کے اندھیرے میں میری کٹیا کا چراغ روشن کرتی "

(ماجھی ایسا گیت نہ گا)

اور پھر کلیجہ پر چوٹ کھا کر غم و حسرت سے کہتا ہے :۔

"اس جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں جہاں میں سڑ رہا ہوں دل و دماغ میں شاعری کا آبشار پھوٹ رہا ہے اور میرے لبوں سے حسین نظمیں فضا میں بلند ہو رہی ہیں شاعری کی اس نئی تخلیق کو تمہاری محبت کا اعجاز کہوں یا کیا ؟ لیکن شاعری کے اس رس کو پا کر بھی میری زندگی پریشانیوں کا مرقع کیوں ہے ؟ کیوں نہیں آسمانِ زندگی میں جگنو چمکتے اور ستارے قہقہے لگاتے ہیں کیوں نہیں تخیلِ محبت میں نقرئی قہقہے انگڑائیاں لیتے "

(سلاخوں کے پیچھے)

ان افسانوں میں بلا کی روانی اور برجستگی ہے۔ اس لئے کہ ان میں تصنع سے مطلق کام نہیں لیا گیا۔ جو جو کچھ دل پر ہو گذرا اسے صداقت

اور صفائی کے ساتھ بیان کر دیا گیا۔ انھیں کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں۔ اپنے دل کے داغ دکھلانے میں عار نہیں۔ کہ ان کی محبت میں شدت کے ساتھ خلوص بھی ہے۔ وہ فطرۃً طوفانی ہیں۔ جیسے ان کے عزائم آتش فشاں کی مانند ہیں اسی طرح ان کے عشق میں طغیان ہے۔ اور وہ بے قابو ہو کر کہہ اٹھتے ہیں :۔

"بتاؤ خدارا بتاؤ، ایسا کیوں ہوتا ہے۔ دنیا میں ہزاروں ایسی مثالیں ہیں کہ جس عورت کو مرد نے اپنے کعبۂ دل کی ملکہ بنانا چاہا اسی عورت نے اس مرد کے کلیجہ میں چھری بھونک دی۔ اس انجام کار کو پہنچ کر بھی وہ اس کے پاؤں کی مہندی بن کر تعاقب کرتا ہے۔"

اور جو تنگ نظر محبت جیسے ارفع و اعلیٰ جذبے کو برا سمجھتے ہیں انکو وہ میدان کارزار میں آ بددعا دیتا ہے :۔

"آگ! تم برسو، برستی جاؤ۔۔۔ خدا کی قہاریت و جبروت اپنے دامن میں سمیٹ لاؤ۔ اے صور اسرافیل تم اپنی ہستی کو آگاہ کرنے کے لئے اپنا کام شروع کر دو۔ بجاؤ اپنا صور۔ کیوں نہ پورا آسمان ان کے سروں پر گر جائے، جو محبّت کو نظر بد سے دیکھتے ہیں۔۔۔ بے حیا انسان!"

(حنا)

میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ ظلم اور ظالم کو مٹانے کے لئے وہ خود ظلم کو

ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن کیا محبت کے معاملہ میں بھی ان کا یہی نظریہ ہے! آخر کوئی محبت کا جواب محبت سے نہ دے تو کیا یہ ظلم نہیں؟ کوئی کسی کے جذبات کو یوں ٹھکرا دے۔ یہ تو ستمگری نہیں؟ تو کیا وہ اس ظلم کا مداوا بھی ظلم سے چاہتے ہیں؟ نہیں یہاں وہ بے بس ہیں۔ جنگ کے معاملہ میں وہ چاہے ہر شے کو جائز سمجھتے ہوں۔ لیکن محبت کے معاملہ میں ان کا اصول مختلف ہے۔ یعنی :-

"بم کے اندر لوہے کی زنجیر پارہ پارہ کردینے کی قوت ہے لیکن پھول کی پتی کا جگر پاش پاش کرنے کی تو اس میں ادنیٰ قوت بھی نہیں۔ جو ظالم ہے اس پر ظلم کرنا آسان ہے لیکن جو خود ہی نازک ہے، نرم ہے، حسین ہے اسے کون ضرب پہنچا سکتا ہے ...

اے میری محبوبہ! تم نے جتنے دکھ اور درد دیئے ہیں میں نے ان کے مجموعے سے مقدس محبت کے مندر کی بنیاد رکھی ہے۔"

(آپ بیتیاں)

"طغیان" کے افسانوں سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نذرالاسلام نے کئی عورتوں سے الفت کی۔ شہر کی لڑکیوں سے لیکر دیہات کی دوشیزاؤں تک، اور ان کی یاد ان کے دل کو برماتی رہی۔ لیکن ان کی زندگی میں آوارگی نے کبھی قدم نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ ان افسانوں میں شیفتگی ہے، بوالہوسی مطلق نہیں۔ بلکہ پاکبازی کے وہ کس قدر

قائل ہیں، یہ مندرجہ ذیل اقتباس سے عیاں ہے :۔

"آج میرا یہ احساس مجھے بے کل کر رہا ہے کہ میں نے اُن کنواری دوشیزاؤں پر نگاہیں کیوں ڈالیں۔ انہی کے عکسِ جمیل نے تو میرے ذہن و فکر کو روند ڈالا ہے۔ لیکن یہ یاد کر کے مجھے سکون ہوتا ہے۔ کہ میں نے کسی کی بے عزتی نہیں کی۔ کسی کے معصوم دل کو اپنی محبت میں اسیر کر کے بے دردی سے نہیں ٹھکرایا۔ بلکہ میں نے ہی دست بستہ ان سے معافی مانگی۔ اور ہمیشہ ان کے مقدس حسن سے کتراتا رہا۔ کسی دن بھی ان کی راہوں میں خلیج بن کر حائل نہیں ہوا"

(سلاخوں کے پیچھے)

اسی ضمن میں محبت اور شادی کے مسئلے پر ان کے خیالات اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں :۔

"جانتی ہو، میں سکھی کیوں نہیں ہو سکا۔ صرف اس لئے کہ میں عام انسانوں کی مانند مجازی محبت کے بندھن میں جکڑنا نہیں چاہتا۔ میری آنکھیں روزانہ دیکھتی ہیں کہ مرد عورت کے ساتھ بڑے خلوص سے پیش آتا ہے ... عیش و عشرت کی ترنگیں پھوٹتی ہیں۔ لیکن وہ اس راز سے بے خبر ہے، کہ جس کے ساتھ اس نے اتنے دن رنگ

رلیاں منائی ہیں اس کے دل کا حکمراں نہ بن سکا جسم تو
گوشت پوست کا لوتھڑا ہے۔ اس پر قابض ہونا کہاں
کی دانش مندی ہے؟ اس راز کو میں نے جس دن سے
سمجھا ہے میں کسی کے ساتھ پیمانِ محبت باندھنے سے
ہمیشہ کنارہ کشی کرتا ہوں۔ مبادا کہ وہ میرے زانو
پر سر رکھ کر اور میری شریکِ حیات بن کر دوسرے کی
محبت میں بے کل ہو۔"

غرض محبت کو وہ پاک اور مقدس سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک
اسے بے لوث ہونا چاہئے۔ عصمت اور پاک دامنی انسان پر فرض
ہے۔ بلکہ جب محبت میں گناہ کا خیال آجائے تو وہ محبت، محبت نہیں
رہتی۔ ایک مکروہ اور لائقِ نفریں جذبہ بن جاتی ہے۔ نیکی اور حسن
صرف عشقِ پاکباز میں ہے۔ معصیت کسی طرح محمود نہیں۔ مہر نگار
میں انھوں نے کتنی پیاری بات کہی ہے:۔

"مقدس چیز کی پوجا مقدس چیز ہی کر سکتی ہے۔
جس راہ میں گناہ چھپا ہو وہاں نیکی کو تلاش کرنا دانش
مندی نہیں۔ اگر پجاری گناہ کو لیکر نیکی کی خواہش
کریگا تو اس کا انجام ہلاکت ہے۔"

حُسن اور عشق کے ساتھ ساتھ عورت کا ذکر لابدی ہے اور ان
افسانوں کو پڑھکر کہنا پڑتا ہے کہ نذر الاسلام نے نسوانی نفسیات کا

کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے ۔ وہ عورتوں کے جذبات سے خوب واقف ہیں ۔ انھیں احساس ہے کہ جب محبت کی آندھی چلتی ہے تو عورت کے دل کا چراغ کس طرح بیم و رجا کی حالت میں لہراتا رہتا ہے ۔ چنانچہ ان افسانوں میں آپ کو ان لڑکیوں کا حال ملے گا جنھوں نے بے لوث محبت کی اور ان عورتوں کا بھی جن کے جذبات بے غرض نہیں تھے ۔ اس کے علاوہ ان دوشیزاؤں کی ذہنی کیفیات ملیں گی جنھیں اپنے اوپر یہ اعتماد تھا کہ کسی کو اُن سے محبت کرنی چاہیے یعنی وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ کوئی انھیں چاہے، ان کے لئے تڑپے ۔ اور ان لڑکیوں کے احساسات بھی ملیں گے جنھیں خود اپنے اوپر ترس آتا ہے ۔ جو خود کو اس لائق نہیں سمجھتیں کہ کوئی انھیں چاہے عشق میں گرفتار اور محبوب کے فراق میں بیقرار عورتوں کی آپ بیتیاں تو آپنے بہت سنی ہونگی ۔ لیکن نذر الاسلام سے ایک نئی کہانی اس بیت کی ماری کی سنئے جو خود عشق میں مبتلا ہونے کے باوجود محبت کی طالب نہیں ہوتی :۔

"دیکھو پردیسی ! میں بالکل سیاہ ہوں ۔ اسی لئے لوگ مجھے کجریا کے نام سے پکارتے ہیں ۔ میں اس زخم کو برداشت کرلیتی ہوں ۔ اس نفرت انگیز نام کا نیش سہنے کی مجھ میں قوت ہے ۔ مگر اے انجان اور بھولے مسافر ! تم یہ کہہ کر کیوں میری تذلیل کرتے ہو

کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ اے مرقع حسن! تم کیوں
اس بدنصیب اور ابھاگنی کو حقارت آمیز نظروں سے
گھورتے ہو۔ میں اس تحقیر کی لاج کہاں چھپا رکھوں۔
میں جانتی ہوں کہ میں سیاہ ہوں۔ پھر تم مجھ سے محبت
جتا کر مجھے شرم و ندامت کی اندھیری دنیا میں کیوں پھینک
رہے ہو۔ چھی چھی ——"

(رم جھم)

آگے چل کر اسی کشتۂ محبت کا خدا سے شکوہ سنئے۔ جس سے
شاید آسمان کی چھاتی بھی کانپ اٹھی ہوگی:۔

"ایک دن وہ اشک بار آنکھوں میں لال لال چنگاریاں
پرورش کرکے راہِ خالق میں لیٹ کر بولی "آہ! مجھے
ساری دُنیا کیوں اس حقیر نام سے پکارتی ہے؟ خدا!
تونے میرے وجود کی مٹی میں حسن کی ایک آدھ جھلک
کیوں نہ شامل کردی۔ کیا اس طرح تیرا دیا حسن خالی
ہو جاتا۔ اگر تجھے میرے وجود کو اس طرح سیاہ کرنا تھا
تو پھر اس تاریک دل کے اندر روشنی کی مانند محبت کیوں
دی؟"

(رم جھم)

قاضی نذر الاسلام کی شعری اور نثری دونوں تخلیقات عموماً

کھلی ہوئی چیزیں ہیں۔ وہ کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھتے۔ جو کہتے ہیں بے جھجک اور بر ملا۔ لیکن ان رومانوں میں انھوں نے اکثر اشاروں اور کنایوں سے بھی کام لیا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی انقلابی اپج یہاں بھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ وہ دل میں آئی ہوئی بات ضبط نہیں کر سکتے۔ اوپر کے اقتباس میں اگرچہ انھوں نے محرومیٔ حُسن کا شکوہ دبی زبان سے کیا ہے۔ لیکن ایک جگہ وہ کھلم کھلا کہہ اٹھتے ہیں :۔

"میں نے سوچا جس پھول میں خوشبو نہیں، جس کے اندر حسن و جمال نہیں اسے ہم بُری نظر سے کیوں دیکھیں اُسے ہم مجرم کیوں ٹھیرائیں۔ اگر اس کا کوئی مجرم ہے تو وہ عرشِ معلیٰ کا خالق ہے "

(مہر نگار)

اس مجموعہ میں آٹھ افسانے شامل ہیں۔ مانجھی ایسا گیت نہ گا، رم جھم، سلاخوں کے پیچھے، آپ بیتیاں، شعلے اور پھول، حنا، مہر نگار اور خلا۔ ان افسانوں کی مختلف جھلکیاں آپ دیکھ چکے ہیں۔ لیکن ایک اور چیز جو خاص طور پر توجہ مبذول کرتی ہے یہ ہے کہ ان کہانیوں کے پس منظر میں ہمیں تفکر کا دریا لہریں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ افسانے محض رومانی داستانیں نہیں بلکہ زندگی پر دلکش اور گہری تنقیدیں

ہیں ۔ ان کے مصنف نے زندگی کا مطالعہ کیا ہے ۔ زندگی کے رنگارنگ شعبوں کا تجربہ کیا ہے ۔ اپنے گردوپیش کا مشاہدہ کیا ہے ۔ اور پھر یہ دلسوز کہانیاں سنائی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان افسانوں میں ہمیں بہت سے حکیمانہ اشارے ملتے ہیں ۔ اور جیسے ایک عمدہ شعر بیساختہ وردِ زبان ہو جاتا ہے ۔ یہ مبصرانہ کنائے آپ ہی آپ دل میں اتر جاتے ہیں ۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے :۔

"عورت کو دل دینا جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں اپنی ہستی کو خاکستر کر دینا ہے "

"محبوبہ کی دی ہوئی نشانیاں ، محب کے لئے سُکھ کا تحفہ ہیں "

"شاید اس نے یہ نہیں سمجھا کہ آفتابِ حقیقت باہر نہیں ۔ جسم کے اندر جلوہ فگن رہتا ہے "

"عورت کا شباب کیا ہے ؟ قہقہے اور مسرت کا منبع !"

"مرد ازل سے عورت کے دل کو فتح نہیں کر سکا عورت کا باطنی راز سمجھنا بہت دشوار ہے ۔ عورت سب کچھ دے سکتی ہے لیکن دل کا سربستہ راز اور پوشیدہ نشانیاں آشکارا نہیں کرسکتیں "

"جس کے دل کے اندر دُکھ کی چتائیں نہیں جلتیں

وہ دوسروں کے دکھ کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔"
"اُف جوانی کی پہلی منزل میں محبت کا لمس کتنا پائیدار
ہوتا ہے۔"
"ظاہری جنگ سے باطن کی جنگ زیادہ بھیانک اور
ہولناک ہوتی ہے۔ جنگ کے فاتح بہتیرے ہو سکتے ہیں
لیکن من کا فاتح کون ہو سکتا ہے۔"
"دوست کے سامنے زندگی کی غم آلود اور روح فرسا
کہانی سُنا کر ــــ اور کچھ اس کی زبان سے تسکین آمیز
الفاظ سن کر ہی تو دل کا بار ہلکا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو
کیا کوشش کرنے کے بعد بھی دُکھ کا دہکتا ہوا آتش فشاں
اور لپکتی ہوئی چنگاریاں سرد ہو سکتی ہیں؟"

قاضی نذر الاسلام پہلے شاعر اور پھر ادیب ہیں ــ اسی لئے انکی
ہر تحریر میں رنگینی اور دلکشی ہے۔ وہ اپنی نثر میں بھی دلآویز باتیں
کہتے ہیں۔ اور اس کی نمایاں مثالیں ان رومانوں (طغیان) میں ہیں
مثلاً :ــ

"یہ کہہ کر وہ اپنی دلنوازی سے آبشاروں کے اندر
شہابِ ثاقب پیدا کرنے لگے ـــ اور ہر غنچۂ دل نسیم
محبت سے شگفتہ ہونے لگا۔"

"جب میں نے سُنا کہ امیر حبیب اللہ خاں شہید ہو گئے تو مجھے احساس ہوا کہ اتنے دنوں بعد کوہِ ہندوکش کی چوٹی چُور چُور ہو گئی ہے۔ اور کوہِ سلیمان کی اساس اکھڑ گئی ہے"

"لوگوں کا خیال ہے کہ دُنیا میں مجھ جیسا خوش انسان کوئی نہیں۔ شاید اِن کے خیال کی وجہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ ہنستا رہتا ہوں۔ لیکن آہ مہندی کے سبز پتّے کی آغوش میں جتنے خون چھپے ہوئے ہیں ان کی خبر کسی کو نہیں"

"یقین مانو! اس وقت میرے دُکھ کے مندر میں جیسے سنیاسی کی بے ثمر زندگی چیخ اٹھی تھی"

تو یہ ہے طغیان! اور اس کے افسانے، جن میں قاضی نذرالاسلام نے خود اپنے عشق کی معصوم داستانیں سُنائی ہیں، یا اُن الھڑ دوشیزاؤں کی دل سوز کہانیاں جنھوں نے اُن سے محبّت کی۔ بہ حیثیت مجموعی ان رومانوں کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ نذرالاسلام نے شاعری میں دماغی اور جسمانی آزادی کے لئے سرکشی کا علم بلند کیا ہے۔ اور ان پسندیدہ قصوں میں دل کی بغاوت کا۔ اسی لئے ان افسانوں میں دہکتے ہوئے انگاروں کی تپش کے علاوہ لہلہاتے

ہے پھولوں کی مہک بھی ہے۔ شعلوں کی لپک کے ساتھ گل و شبنم کی شیرینی و لطافت بھی ہے۔

ان افسانوں کے مترجم مشہور ادیب جناب محمد یونس احمرؔ ہیں، جو خود بنگال کے رہنے والے ہیں۔ اور کم و بیش انہی مالی مشکلات و معاشرتی حالات میں سے گذرے ہیں جو نذر الاسلام کو پیش آئے۔ موصوف کا قاضی صاحب سے نہایت قریبی تعلق رہا ہے۔ اور انھوں نے "شاعر انقلاب" کی بہت سی صحبتیں اٹھائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے ان ترجموں کے لیے جتنی دماغ سوزی کی ہوگی، اور جس خلوص سے ان افسانوں کو اُردو میں منتقل کیا ہوگا کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ ترجمے اس قدر اچھے ہیں کہ ترجمے معلوم نہیں ہوتے۔ اور یہی اچھے ترجمہ کی نشانی ہے یہی معنوی حیثیت تو بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ طغیان ہمارے افسانوی ادب میں نہایت عمدہ اور قیمتی اضافہ ہے۔

صادق الخیری

(مطبوعہ محبوب المطابع دہلی)

تصانیف صادق الخیری ایم۔اے

(مضبوط جلد اور خوشنما گرد پوش سے آراستہ)

شمع انجمن بقول ”دلفگار“ یہ اردو کے جرّاح ادیب اور سحر نگار مترجم جناب صادق الخیری کے سولہ بیباک افسانوں کا مجموعہ ہے دوسرا ایڈیشن۔ قیمت [illegible]

دھنک اس میں سات ولولہ انگیز رومان شریک ہیں۔ قوس قزح کی طرح رنگین اور پھولوں کی مانند شاداب۔ دھنک میں اردو کا وہ معرکہ آرا طویل رومان ”نشیمن“ بھی شامل ہے جسے ادب عالیہ اور انشا پردازی کا شہپارہ قرار دیا جاتا ہے دوسرا ایڈیشن

بلقیس پاکیزگیٔ خیال اور رعنائی بیان ان افسانوں کی خصوصیت ہے۔ نیک نفس مائیں اور معصوم جذبات شریف گھرانوں میں کس طرح پرورش پاتے ہیں۔ یہ آپ بلقیس میں دیکھئے۔ دوسرا ایڈیشن۔ قیمت [illegible]

سفینے ایشیا اور یورپ کے بہترین افسانوں کا ضخیم مجموعہ۔ بڑے سائز کی اس خوبصورت کتاب میں ملک ملک کے شیریں و لطیف قصے اور دیس دیس کی نئی و ترقی پسند کہانیاں ہیں۔ مشرق و مغرب کے بڑے بڑے مصنفوں کے یہ لاجواب افسانے صادق الخیری نے اس بے ساختگی سے ترجمہ کئے ہیں کہ بالکل طبعزاد معلوم ہوتے ہیں۔ قیمت [illegible]

دوشیزۂ صحرا عرب کے لق و دق صحرا میں محبت کا ایک خوشنما پھول کھلا، نہایت دلفریب لیکن نہایت زہریلا۔ دوشیزۂ صحرا اسی گلبدن کی حسین داستان ہے جسکے لبوں پر الفت کی آہیں اور آنکھوں میں قتل و غارت کے اشارے تھے دوسرا ایڈیشن قیمت [illegible]

ناشر:- خاتون کتاب گھر، اردو بازار۔ دہلی